هفت روزہ
خدام الدین لاہور
بیادگار
شیخ التفسیر حضرت مولانا احمد علی
شیرانوالہ دروازہ لاہور
۴ جون سنہ ۱۹۶۵ء
۳ صفر ۱۳۸۵ھ
حضرت جی نمبر
یکے از مطبوعات انجمن خدام الدین ○ لاہور
ہدیہ ۷۵ پیسے

احادیث الرسول صلی اللہ علیہ وسلم

بَلِّغُوْا عَنِّیْ وَلَوْ اٰیَۃً - الحدیث

ترجمہ :- میری طرف سے خواہ ایک ہی آیت ہو پہنچا دیں۔

عَنْ اَبِیْ سَعِیْدِنِ الْخُدْرِیِّ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ مَنْ رَّاٰی مِنْکُمْ مُنْکَرًا فَلْیُغَیِّرْہُ بِیَدِہٖ فَاِنْ لَّمْ یَسْتَطِعْ فَبِلِسَانِہٖ فَاِنْ لَّمْ یَسْتَطِعْ فَبِقَلْبِہٖ وَذَالِکَ اَضْعَفُ الْاِیْمَانِ - رواہ مسلم والترمذی و ابن ماجۃ والنسائی کذا فی الترغیب۔

ترجمہ :- ابو سعید خدری رضؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ جو شخص تم میں سے کسی ناجائز امر کو ہوتے ہوئے دیکھے اگر اس پر قدرت ہو کہ اس کو ہاتھ سے بند کر دے تو اس کو بند کر دے - اگر اتنی مقدرت نہ ہو تو زبان سے اس پر انکار کر دے اگر اتنی بھی قدرت نہ ہو تو دل سے اس کو بُرا سمجھے اور یہ ایمان کا بہت ہی کم درجہ ہے۔

عَنِ النُّعْمَانِ بْنِ بَشِیْرٍ قَالَ مَثَلُ الْقَائِمِ فِیْ حُدُوْدِ اللّٰہِ وَالْوَاقِعِ فِیْھَا کَمَثَلِ قَوْمِنِ اسْتَھَمُوْا عَلٰی سَفِیْنَۃٍ فَصَارَ بَعْضُھُمْ اَعْلَاھَا وَبَعْضُھُمْ اَسْفَلَھَا فَکَانَ الَّذِیْ فِیْ اَسْفَلِھَا اِذَا اسْتَقَوْا مِنَ الْمَآءِ مَرُّوْا عَلٰی مَنْ فَوْقَھُمْ فَقَالُوْا لَوْ اَنَّا خَرَقْنَا فِیْ نَصِیْبِنَا خَرْقًا وَّلَمْ نُؤْذِ مَنْ فَوْقَنَا فَاِنْ تَرَکُوْھُمْ وَمَا اَرَادُوْا ھَلَکُوْا جَمِیْعًا وَّاِنْ اَخَذُوْا عَلٰی اَیْدِیْھِمْ نَجَوْا وَنَجَوْا جَمِیْعًا - رواہ البخاری والترمذی

ترجمہ :- نعمان بن بشیر رضؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ اس شخص کی مثال جو اللہ کی حدود پر قائم ہے اور اس شخص کی جو اللہ کی حدود میں پڑنے والا ہے [illegible]س قوم کی سی ہے جو ایک جہاز میں بیٹھے ہوں اور قرعہ سے (مثلاً) جہاز کی منزلیں مقرر ہو گئی ہوں کہ بعض لوگ جہاز کے اوپر کے حصّہ میں ہوں - اور بعض لوگ نیچے (نطق) کے حصّہ میں ہوں - جب نیچے والوں کو پانی کی ضرورت ہوتی ہے تو وہ جہاز کے اوپر کے حصّہ پر آ کر پانی پیتے ہیں - اگر وہ یہ خیال کر کے کہ ہمارے بار بار اوپر پانی کے لئے جانے سے اوپر والوں کو تکلیف ہوتی ہے اس لئے ہم اپنے ہی حصّہ میں یعنی جہاز کے نیچے کے حصّہ میں ایک سوراخ سمندر میں کھول لیں جس سے پانی یہیں ملتا رہے اوپر والوں کو ستانا نہ پڑے - ایسی صورت میں اگر اوپر والے ان احمقوں کی اس تجویز کو نہ روکیں گے اور خیال کر لیں گے کہ وہ جانیں اُن کا کام - ہمیں اُن سے کیا واسطہ تو اس صورت میں وہ جہاز غرق ہو جائے گا اور دونوں فریق ہلاک ہو جائیں گے اور اگر وہ ان کو روک دیں گے تو دونوں فریق ڈوبنے سے بچ جائیں گے۔

عَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَوَّلُ مَا دَخَلَ النَّقْصُ عَلٰی بَنِیْ اِسْرَائِیْلَ کَانَ الرَّجُلُ یَلْقَی الرَّجُلَ فَیَقُوْلُ یَا ھٰذَا اتَّقِ اللّٰہَ وَدَعْ مَا تَصْنَعُ بِہٖ فَاِنَّہٗ لَا یَحِلُّ لَکَ ثُمَّ یَلْقَاہُ مِنَ الْغَدِ وَھُوَ عَلٰی حَالِہٖ فَلَا یَمْنَعُہٗ ذَالِکَ اَنْ یَّکُوْنَ اَکِیْلَہٗ وَشَرِیْبَہٗ وَقَعِیْدَہٗ فَلَمَّا فَعَلُوْا ذَالِکَ ضَرَبَ اللّٰہُ قُلُوْبَ بَعْضِھِمْ بِبَعْضٍ ثُمَّ قَالَ لُعِنَ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا مِنْ بَنِیْ اِسْرَائِیْلَ اِلٰی قَوْلِہٖ فٰسِقُوْنَ ثُمَّ قَالَ کَلَّا وَاللّٰہِ لَتَاْمُرُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ وَلَتَنْھَوُنَّ عَنِ الْمُنْکَرِ وَلَتَاْخُذُنَّ عَلٰی یَدِ الظَّالِمِ وَلَتَاْطُرُنَّہٗ عَلَی الْحَقِّ اَطْرًا

رواہ ابو داؤد والترمذی کذا فی الترغیب

ترجمہ :- ابن مسعود رضؓ سے روایت ہے - نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ بنی اسرائیل میں سب سے پہلا تنزل اس طرح شروع ہوا کہ ایک شخص کسی دوسرے سے ملتا اور کسی ناجائز بات کو کرتے ہوئے دیکھتا تو اس کو منع کرتا کہ دیکھ اللہ سے ڈر ایسا نہ کر لیکن اس کے نہ ماننے پر بھی وہ اپنے تعلقات کی وجہ سے کھانے پینے میں اور نشست و برخاست میں ویسا ہی برتاؤ کرتا جیسا کہ اس سے پہلے تھا جب عام طور پر ایسا ہونے لگا تو اللہ تعالےٰ نے بعضوں کے قلوب کو بعضوں کے ساتھ خلط کر دیا (یعنی نافرمانوں کے قلوب جیسے تھے ان کی نحوست سے فرمانبرداروں کے قلوب بھی ویسے ہی کر دئے) پھر اس کی تائید میں کلام پاک کی آیتیں لُعِنَ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا سے فٰسِقُوْنَ ۝ تک پڑھیں - اس کے بعد حضورؐ نے بڑی تاکید سے یہ حکم فرمایا کہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرتے رہو، ظالم کو ظلم سے روکتے رہو اور اس کو حق بات کی طرف کھینچ کر لاتے رہو۔

عَنْ جَرِیْرِ بْنِ عَبْدِ اللّٰہِ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ مَا مِنْ رَّجُلٍ یَکُوْنُ فِیْ قَوْمٍ یَّعْمَلُ فِیْھِمْ بِالْمَعَاصِیْ یَقْدِرُوْنَ عَلٰی اَنْ یُّغَیِّرُوْا عَلَیْہِ وَلَا یُغَیِّرُوْنَ اِلَّا اَصَابَھُمُ اللّٰہُ بِعِقَابٍ قَبْلَ اَنْ یَّمُوْتُوْا

رواہ ابو داؤد و ابن ماجہ و ابن حبان والاصبہانی وغیرھم کذا فی الترغیب۔

ترجمہ :- جریر بن عبداللہ رضؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ اگر کسی جماعت اور قوم میں کوئی شخص کسی گناہ کا ارتکاب کرتا ہے اور وہ جماعت و قوم باوجود قدرت کے اس شخص کو اس گناہ سے نہیں روکتی تو ان پر مرنے سے پہلے دنیا ہی میں اللہ تعالےٰ کا عذاب مسلط ہو جاتا ہے۔

رَوٰی عَنْ اَنَسٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا تَزَالُ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ تَنْفَعُ مَنْ قَالَھَا وَتَرُدُّ عَنْھُمُ الْعَذَابَ وَالنِّقْمَۃَ مَا لَمْ یَسْتَخِفُّوْا بِحَقِّھَا قَالُوْا یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ مَا الْاِسْتِخْفَافُ بِحَقِّھَا قَالَ یَظْھَرُ الْعَمَلُ بِمَعَاصِی اللّٰہِ فَلَا یُنْکَرُ وَلَا یُغَیَّرُ (رواہ الاصبہانی - ترغیب)

ترجمہ :- حضرت انس رضؓ سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی یہ بھی نقل کیا گیا ہے کہ (کلمہ توحید) لا الٰہ الا اللہ (محمد رسول اللہ) کہنے والے کو ہمیشہ نفع دیتا ہے اور اس سے عذاب وبلا کو دفع کرتا ہے جب تک کہ اس کے حقوق سے بے پرواہی اور استخفاف نہ کیا جائے۔ صحابہ نے عرض کیا کہ اس کے حقوق سے بے پروائی و استخفاف کئے جانے کا کیا مطلب ہے؟ آپ نے ارشاد فرمایا کہ اللہ کی نافرمانیاں کھلے طور پر کی جائیں - اور ان کے بند کرنے کی کوشش نہ کی جائے۔

(اب آپ ہی ذرا انصاف سے فرمائیے کہ اس زمانہ میں اللہ کی نافرمانیوں کی کوئی انتہا کوئی حد ہے؟)

ایڈیٹر
مناظر حسین نظر
ٹیلیفون
۶۷۵۴۵

خدام الدین

سالانہ
گیارہ روپے
ششماہی
چھ روپے

جلد ۱۱ | ۳ صفر ۱۳۸۵ھ بمطابق ۴ جون ۱۹۶۵ء | شمارہ ۳

حرفِ گفتنی

خدام الدین کا "حضرت جی نمبر" آپ کے سامنے ہے۔ ہم نے اسے صوری اور معنوی اعتبار سے بہتر بنانے میں اپنی طرف سے ہر ممکن کوشش کی ہے لیکن اس کے باوجود ہمیں اس بات کا اعتراف ہے کہ ہم اپنے ذہن میں قائم کردہ معیار کے مطابق اس سوانحی دستاویز کو پیش نہیں کر سکے۔ اس کی بڑی وجہ تبلیغی حضرات کا عدم تعاون ہے۔ ہمارا خیال تھا کہ حضرت جی رحمۃ اللہ علیہ کے متوسلین بڑھ چڑھ کر اس نمبر کی تیاری میں حصہ لیں گے اور حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ کی روح کو ایصالِ ثواب کرنے اور ان کے مشن کو آگے بڑھانے میں اپنے فرض سے عہدہ برآ ہوں گے لیکن ؎

اے بسا آرزو کہ خاک شد

ہماری توقعات صحیح ثابت نہ ہوئیں اور ہم نے اس سلسلے میں جو خوش فہمیاں اپنے تبلیغی بھائیوں سے وابستہ کر رکھی تھیں انہیں ٹھیس پہنچی اس کے باوجود ہم نے ہمت نہ ہاری اور اس نمبر کو زیادہ سے زیادہ عمدہ اور مؤثر بنانے میں کوئی دقیقہ فرو گذاشت نہیں کیا۔ اب اس بات کا فیصلہ کرنا کہ ہماری کوششیں کہاں تک بار آور ہوئی ہیں قارئینِ کرام کا کام ہے۔ ہمیں اس سلسلے میں سب سے بڑی خوشی اس امر کی ہے کہ سیدی و مولائی امام الاصفیا اسوۃ الصلحا حضرت مولانا محمد زکریا صاحب مدظلہ العالی شیخ الحدیث مظاہر العلوم سہارنپور نے ہماری سرپرستی فرمائی ہے اور ہماری درخواست کو شرفِ قبولیت بخشتے ہوئے اپنے رشحاتِ قلم سے خصوصی طور پر نوازا ہے جس کے لئے ہم ان کے سراپا شکر گزار ہیں اور ہم سمجھتے ہیں کہ اس نمبر کی تمام تر کامیابی حضرت شیخ مدظلہ کی توجہات خصوصی اور اس نمبر میں ان کی شمولیت کی مرہونِ احسان ہے۔ چنانچہ یہ امر واقعہ ہے کہ جس وقت حضرت شیخ مدظلہ کا مکتوب گرامی موصول ہوا اس کے بعد ہی پرچہ کی صورت بننی شروع ہوئی اور اس لئے ہم نے نمبر کی اشاعت دو ہفتہ کے لئے مؤخر کر دی۔ اس سلسلے میں ہم حضرت مولانا جمیل احمد صاحب میواتی خلیفۂ مجاز حضرت اقدس رائپوری نور اللہ مرقدہ کے بھی شکر گزار ہیں کہ انہوں نے ہماری کافی ڈھارس بندھائی ورنہ ہم شاید نمبر نکالنے کا ارادہ ہی ملتوی کر دیتے۔ ادارہ خدام الدین مولانا مجاہد الحسینی صاحب کا بھی ممنونِ احسان ہے کہ انہوں نے نمبر کی ترتیب و تدوین اور حصول مضامین کے سلسلہ میں ہمارا کافی ہاتھ بٹایا۔ بہر حال اللہ جل شانہ کے فضل و کرم اور حضرت شیخ رحمۃ اللہ کی روحانی توجہات سے یہ نمبر پایۂ تکمیل کو پہنچ گیا اور ہمیں اس کے صفحات میں اضافہ کرنا پڑا۔ اب یہ نمبر بجائے ۱۰ صفحات کے ۷۲ صفحات پر مشتمل ہے اور اس وقت بھی ادارہ کے پاس کافی مضامین کتابت شدہ موجود ہیں جنہیں ہم آئندہ اشاعتوں میں سلسلہ وار قارئینِ کرام کی خدمت میں پیش کرتے رہیں گے۔ یہاں ہم تبلیغی حضرات کی خدمت میں چند گزارشات پیش کرنا ضروری خیال کرتے ہیں۔ ہمیں یہ علم ہے کہ حضرت جی رحمۃ اللہ علیہ شہرت پسند نہیں تھے وہ دین پر محنت اور عمل کے قائل تھے اور ظاہر ہے ہر اللہ والے کی یہی خواہش اور آرزو ہونی چاہیئے لیکن اب وہ اس مقام پر پہنچ چکے ہیں جہاں ہماری کوئی مدح و ستائش اور کوئی جرح و قدح ان کو نفع یا نقصان نہیں پہنچا سکتی۔ وہ اپنے رب سے ملاقی ہو چکے ہیں اور کبھی لوٹ کر یہاں نہ آئیں گے۔ ہماری آواز بھی ان تک نہیں پہنچ سکتی لیکن ان کے ارشادات کی نشر و اشاعت ان کے مشن کو آگے بڑھانا، ان کی آواز کو اکناف عالم میں پہنچانا یقیناً ان کے لئے سود مند ہو سکتا ہے اور یہی وہ ہدیۂ عقیدت اور نیاز مندی ہے جو ان کے متوسلین اور نام لیوا ان کی خدمت میں اس وقت پیش کر سکتے ہیں۔ خدام الدین کا یہ نمبر شائع کرنے سے بھی مقصد یہی ہے کہ ان کی باتیں محفوظ ہو جائیں، اُن کے ارشادات و مواعظ زیادہ سے زیادہ لوگوں تک پہنچ سکیں اور ان کی زندۂ جاوید آواز ہر کہ و مہ کے کانوں میں دیر تک گونجتی رہے۔ اس کے علاوہ خدام الدین کی کوئی غرض نہیں، خدام الدین بحمد اللہ تعالیٰ ہر کاروباری مصلحت اور خود غرضی سے بے نیاز ہے۔ یہ حق و صداقت کی آواز ہے۔ کتاب و سنت کی تعلیمات کی آواز ہے مسلک اہل سنت والجماعت کی آواز ہے اور ہر اس تحریک کا ممد و معاون ہے جو بندگانِ خدا کو سب سے توڑ کر رب سے جوڑنے کا پروگرام پیش کرے، تمام راستوں سے ہٹا کر مدینے والے کے راستے پر لا کھڑا کرے اور اسلاف کی راہ سے ایک بال برابر بھی ادھر اُدھر نہ ہونے دے۔ خدام الدین کا بھروسہ اسباب پر نہیں مسبب الاسباب پر ہے اور یہی تعلیم اس کے بانی سیدی و مولائی امام الاولیاء صدیقِ دوراں شیخ التفسیر مولانا احمد علی صاحب قدس سرہ العزیز نے علماً عملاً اور قولاً فعلاً لوگوں کے سامنے نصف صدی تک پیش کی ہے۔ چنانچہ یہ ان کی کرامت ہے اور ان کے خلوص و للٰہیت کا اعجاز کہ اس وقت برصغیر ہند و پاک میں کوئی ہفتہ وار پرچہ خدام الدین کے برابر نہیں چھپتا۔ ہمارے اندازے کے مطابق کم از کم ایک لاکھ افراد ہر ہفتہ خدام الدین کا مطالعہ کرتے ہیں اور اس نے لاکھوں گم گشتگانِ راہِ ہدایت کی کایا پلٹ کی ہے۔ ذلک فضل اللہ یؤتیہ من یشاء کا پھر اس کی قیمت بھی کوئی زیادہ نہیں اور کوئی کاروباری پرچہ ویٹ لفٹ پر ۲۰ صفحوں کا ۴ آنے میں نہیں مل سکتا اشتہارات کے سلسلے میں بھی ہماری راہ دوسرے تمام پرچوں سے الگ ہے۔ حضرت رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے ہم نے یہ پرچہ فقط تبلیغ کے لئے ہی جاری کیا ہے۔ اور اس نمبر کا معاملہ تو ہمارے عام پرچوں سے بھی مختلف ہے۔

باقی صفحہ ۵۷ پر

قدوۃ الصلحاء راس الاتقیاء شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا صاحب سہارنپوری مدظلہ العالی نے اپنی گوناں گوں مصروفیات کے باوجود ادارۂ خدام الدین کی عاجزانہ درخواست کو شرف قبولیت سے نوازا ہے۔ آپ نے حضرت مولانا محمد یوسف صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے سوانحی نقوش اجاگر کرنے کے لئے ایک مختصر سا خاکہ سپرد قلم فرمایا ہے جو فی الحقیقت "اصل پرچے کی جان" ہے ادارہ حضرت شیخ مدظلہ العالی کی ذرہ نوازی کا صدقِ دل سے شکر گزار ہے اور دست بدعا ہے کہ اللہ تعالیٰ حضرت شیخ کا سایہ ہمارے سروں پر تا دیر سلامت رکھے اور وہ اپنی تحریر مفرمائیوں سے ہمیں بہرہ مند کرتے رہیں

ایں دعا از من و از جملہ جہاں آمین باد ——— (مدیر)

سید الاولیاء حضرت شیخ الحدیث مدظلہٗ

کا

مکتوب گرامی

عنایت فرمائم سلمہ، بعد سلام مسنون

کئی دن ہوئے گرامی نامہ کارڈ حضرت جی نمبر کے لئے مضمون کی طلب میں آیا تھا۔ اول تو گرامی نامہ اتنی دیر سے پہنچا کہ آپ کی تحریر کردہ تاریخ پر تو جواب پہنچ ہی نہیں سکتا تھا۔ اس کے علاوہ اس ناکارہ کو اس قسم کے مضامین لکھنے کی بالکل عادت نہیں اور نہ اس قسم کے مضامین سے مناسبت ہے۔ حضرت اقدس مدنی اور حضرت اقدس رائے پوری نور اللہ مرقدہما کے وصال پر بہت سے احباب کے اصرار ہوئے۔ اسی طرح دوسرے اکابر کے انتقال پر احباب کے اصرار ہوتے رہے مگر یہ ناکارہ انکار کرتا رہا۔ اس ناکارہ کے حوالے سے ان اکابر کی سوانحوں میں جہاں کہیں مضامین چھپے ہیں اس کی صورت یہ رہی ہے کہ تالیف کرنے والے احباب آکر ان کے احوال دریافت کرتے رہے اور یہ ناکارہ اپنی معلومات سے جواب عرض کرتا رہا۔
عزیز مولانا محمد یوسف مرحوم کی ولادت ۲۵ جمادی الاول ۳۵ھ مطابق ۲۰ مارچ ۱۷ء سہ شنبہ کو ہوئی تھی اور ۲ر جمادی الثانی دوشنبہ کو حقیقتہً ہوا تھا۔ اس کے بعد اس کے سوا کیا کہوں ؎

کان مملوکی فاضحیٰ مالکی
ان ہذا من عجائب الزمن

ابتدا میں وہ میرا چھوٹا بھائی تھا، شاگرد تھا، زیر تربیت تھا۔ وہ میری نالائقی، سخت مزاجی کی وجہ سے اپنے والد یعنی میرے چچا جان نور اللہ مرقدہ کی بنسبت اس ناکارہ سے بہت زیادہ ڈرتا تھا۔ چچا جان کے احکام کو وہ پدرانہ ناز کی وجہ سے اور اپنے بچپن کی وجہ سے کبھی ٹال دیتا تھا لیکن اس ناکارہ کی سخت مزاجی کی وجہ سے میرے کہنے کو نہیں ٹالتا تھا۔ چچا جان کو بسا اوقات یہ ارشاد فرمانا پڑتا کہ یوسف سے فلاں کام لینا ہے تمہارے کہنے سے جلدی کر دے گا۔ دہلی کے احباب کا چچا جان پر بہت اصرار ہوتا کہ صاحبزادے سلمہ کو شادی میں ضرور ساتھ لائیں۔ مگر مرحوم اپنے طلب علم میں اس قدر منہمک تھا کہ اس کو یہ حرج بہت ناگوار ہوتا۔ بسا اوقات اس کی نوبت آئی کہ ان اوقات میں اگر اس ناکارہ کا دہلی جانا ہوا تو عزیز مرحوم مجھ سے جاتے ہی یہ وعدہ لے لیتا کہ بھائی جی فلاں جگہ جانے کو مجھ سے آپ نہ کہیں۔ اور چچا جان مجھ سے ارشاد فرماتے کہ یوسف کو بھی ساتھ لے لیجیو۔ تو میں یہی معذرت کرتا کہ اس نے آتے ہی مجھ سے یہ وعدہ لے لیا ہے کہ میں نہ کہوں۔ یہ تو ابتداء تھی۔ اس کے بعد مرحوم نے ہوائی جہاز سے وہ پرواز کی کہ وہ آسمان پر پہنچ گیا، اور یہ ناکارہ زمین ہی پر پڑا ہوا اس کی بلندی کو دیکھتا رہا۔ چچا جان کے وصال کے بعد ہی ایک پرواز اس نے کی جس کے متعلق اس ناکارہ کا اور حضرت اقدس رائے پوری نور اللہ مرقدہ کا یہ خیال ہوا کہ چچا جان نور اللہ مرقدہ کی نسبت خاصہ منتقل ہوئی ہے۔ اور ہر ہر بات میں اس کا خوب مشاہدہ ہوتا۔ اس کے بعد سے اس کی ترقیات کو دیکھتا رہا۔ حضرت مدنی قدس سرہ کے وصال کے بعد سے مرحوم میں ایک جوش کی کیفیت پیدا ہوتی اور کسی بڑے سے بڑے ذی وجاہت شخص کے سامنے بھی اپنی بات کو نہایت جرأت اور بے خوفی سے کہنے کا ظہور ہوا اور وہ بڑھتا ہی رہا۔ اس کے بعد حضرت اقدس رائے پوری نور اللہ مرقدہ کے وصال کے بعد اس کی گفتگو اور تقاریر میں انوار اور تجلیات کا ظہور پیدا ہوا کیا بعید ہے کہ ان دونوں بزرگوں کی خصوصی توجہات اور مرحوم کے ساتھ خاص شفقت اور محبت کا یہ ثمرہ ہو۔ انہیں چیزوں کا یہ اثر ہوا جو اس ناکارہ نے شروع میں شعر میں ظاہر کیا کہ پھر یہ ناکارہ اس سے مرعوب ہونے لگا کہ اس کے اصرار پر مجھے مخالفت دشوار ہوگئی۔ اس کا اثر تھا کہ گذشتہ سال اپنی انتہائی معذوریوں اور مجبوریوں، امراض کی شدت کے باوجود جب مرحوم نے اس پر اصرار کیا کہ تمہیں حج کو میرے ساتھ ضرور چلنا ہے تو مجھے انکار کی ہمت نہ پڑی اور جب میں نے اپنے امراض کا اظہار کیا اور کہا کہ میرے اعذار کو نہیں دیکھتے ہو تو مرحوم نے یہ کہا کہ خوب دیکھ رہا ہوں مگر میرا جی چاہتا ہے کہ آپ ضرور چلیں۔ اخیر میں اللہ جل شانہ نے اپنے لطف و کرم کی وہ بارش فرمائی کہ مجھ جیسے بے بصیرت کو بھی بہت سی چیزیں کھلی محسوس ہوتی تھیں۔ اس قسم کی چیزیں لکھنی آتی ہیں نہ لکھنے کو دل چاہتا ہے۔ صرف ایک عورت کے خواب پر اس عریضہ کو ختم کرتا ہوں۔ خواب تو مرحوم کے حادثہ کے بعد لوگوں نے عجیب عجیب دیکھے اور لکھے۔ لیکن یہ خواب چونکہ اس ناکارہ کے نزدیک لفظ بلفظ واقعہ ہے اس لئے لکھوا رہا ہوں۔ اس حادثہ پر اپنے تعلقات کے موافق نیز اپنے قلبی ضعف و تحمل کے موافق اثرات تو بہت ہی عام ہوئے لیکن ایک عورت کے متعلق معلوم ہوا کہ وہ کسی وقت بھی چپ نہ ہوتی تھی۔ ہر وقت روتی تھی۔ بار بار وضو کرتی اور تسبیح لے کر بیٹھ جاتی۔ وہ اسی حال میں ایک دفعہ وضو کر کے تسبیح لے کر بیٹھی تھی کہ اس کو غنودگی آگئی۔ اس نے عزیز مرحوم کو دیکھا۔ وہ فرما رہے ہیں کہ کیوں پاگل ہوگئی ہے مرنا تو سبھی کو ہے تعلق مالک سے پیدا کیا کرو یہ بندے نہیں۔ اس پر اس نے والہانہ انداز میں یوں کہا۔ حضرت جی یہ ایک دم ہی ہوا کیا؟ مرحوم نے کہا کچھ بھی نہیں۔ کچھ دنوں سے جب میں تقریر کیا کرتا تھا تو مجھ پر تجلیات الٰہیہ کا خاص ظہور ہوتا تھا۔ اس مرتبہ جب میں رات کو تقریر کر رہا تھا تو ان کا اتنا زیادہ ظہور ہوا کہ میرا قلب ان کا تحمل نہ کر سکا اور دورہ پڑ گیا اس کے بعد مجھے ایک بہت بڑا گلاب کا پھول سنگھایا گیا۔ اس کے ساتھ میری روح نکل گئی۔ بس اتنی سی بات ہوئی۔ فقط عزیز مرحوم کی پہلی شادی میری سب سے بڑی لڑکی سے ۳ محرم ۴۵ھ کو مظاہر علوم کے سالانہ جلسہ میں ہوئی تھی۔ حضرت مدنی نور اللہ مرقدہٗ نے نکاح پڑھا تھا۔ چونکہ پہلے سے کوئی تجویز نہ تھی عین وقت پر چچا جان نے فرمایا نکاح کا ارادہ ہے اس لئے اس وقت رخصت نہ ہوئی۔ تقریباً ایک سال بعد چچا جان مرقدہ کی ایک آمد پر اسی طرح فوری طور پر بلا سابقہ تجویز کے رخصت ہوگئی ۲۲، ۲۴ رمضان ۵۸ھ دوشنبہ، سہ شنبہ کی درمیانی شب میں ۱۲ بجکر ۴ منٹ پر عزیز ہارون سلمہٗ کی ولادت ہوئی حق تعالیٰ شانہٗ اپنے فضل و کرم سے اس کو اپنے باپ دادا کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔ فقط والسلام

زکریا مظاہر علوم ۱۲ محرم ۸۵ھ، بقلم محمد عاقل غفرلہ

خطبہ جمعہ: ۲۶ محرم الحرام ۱۳۸۵ھ ۲۸ مئی ۱۹۶۵ء

دعوت الی الحق کی تحریک سے ہی انقلاب برپا ہوسکتا ہے

☆ از حضرت مولانا عبیداللہ انور صاحب مدظلہ العالی

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَکَفٰی وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی۔ اَمَّا بَعْدُ
فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ۔ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ط

یَا اَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰہَ حَقَّ تُقٰتِہٖ وَلَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَ اَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ ۝ وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰہِ جَمِیْعًا وَّ لَا تَفَرَّقُوْا وَاذْکُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰہِ عَلَیْکُمْ اِذْ کُنْتُمْ اَعْدَآءً فَاَلَّفَ بَیْنَ قُلُوْبِکُمْ فَاَصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِہٖ اِخْوَانًا وَکُنْتُمْ عَلٰی شَفَا حُفْرَۃٍ مِّنَ النَّارِ فَاَنْقَذَکُمْ مِّنْھَا ط کَذٰلِکَ یُبَیِّنُ اللّٰہُ لَکُمْ اٰیٰتِہٖ لَعَلَّکُمْ تَھْتَدُوْنَ ۝
(پ ۴ س آل عمران رکوع ۱۱)

ترجمہ :- اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو - جیسا اس سے ڈرنے کا حق ہے اور مرو تو صرف اس حالت میں کہ تم مسلمان ہو اور سب مل کر اللہ کی رسی کو مضبوط پکڑو - اور پھوٹ نہ ڈالو اور اللہ کا احسان اپنے اوپر یاد کرو - جب کہ تم آپس میں دشمن تھے - پھر تمہارے دلوں میں الفت ڈال دی اور تم اس کے فضل سے بھائی بھائی ہوگئے - اور تم آگ کے گڑھے کے کنارے پر تھے - پھر تمہیں اس نے نجات دی - اسی طرح اللہ تم پر اپنی نشانیاں بیان کرتا ہے - تاکہ ہدایت پاؤ -

بزرگان محترم! ہمارے آقا و مولا جناب محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے جس قدر انبیاء و مرسلین گزرے ہیں - ان سب کی امتوں میں جو جو برائیاں اور خرابیاں راہ پا گئی تھیں - اور پہلی امتیں جن جن بیماریوں میں مبتلا ہو گئی تھیں - ان سب کا سیدھا سادھا مکمل اور شافی علاج ان آیات مذکورہ میں بیان کر دیا گیا ہے - چنانچہ ارشاد ہوتا ہے کہ اے ایمان والو! اے محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو آخری رسول اور خاتم النبین ماننے والو! تم ہر حال میں خدا سے ڈرو - ظاہر و باطن میں، اپنے پرائیوں میں خوشی میں اور غمی میں، تنگی اور کشائش میں، غرضیکہ زندگی کے تمام مراحل میں خالص اور مخلص ہو کر رہو - تقویٰ کو شعار بناؤ - اور ہر اس فعل سے باز آ جاؤ جو خدا کی ناراضگی کا موجب ہو - ہر قدم کا محاسبہ کرو، اور دیکھو کہ یہ خدا کی عین رضا کے مطابق اٹھے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقے کے بالکل مطابق اٹھے - خداوند قدوس اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی راہ کی مخالفت کا شائبہ بھی اس میں نہ ہو - حرص و ہوا طمع و آز، ریاکاری، نفس پرستی اور رعونت تمہارے پاس بھی نہ پھٹکے، کبر و نخوت حسد اور عجب کی جڑیں دل و دماغ سے نکال پھینکو - اور انسانیت کا وہ نمونہ بن کر دکھاؤ کہ جس پر عمل پیرا ہونے کی تمنا خود فرشتوں کے دلوں میں پیدا ہو - یعنی صحیح معنوں میں مسلمان بنو - محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقے والے مسلمان بنو - صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے طریقے والے مسلمان بنو - تمام زندگی اسلام پر کاربند رہو - اور اگر تمہارا خاتمہ ہو تو وہ بھی اسی دین خداوندی پر ہو -

دستور العمل

اسلام کا دستور العمل چونکہ قرآن کریم ہے اور اس کو مضبوط رسی کا نام دیا گیا ہے - اس لئے سب کے سب اس مضبوط رسی کو تھام لو - اس کی تعلیم پر سختی سے کاربند ہو جاؤ - اسی کتاب کو حکم اور فیصل بناؤ - اسی کے قانون کو نافذ کرو اور اسی کے کامل و اکمل اور عملی نمونے جناب محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ کو رہنما بناؤ - گروہ بندی سے باز رہو - بھائی بھائی بن کر رہو - پرانی رنجشیں بھول جاؤ - نئی غلط فہمیوں سے بچو - اسلام سے پہلے ان اصولوں کو چھوڑ دینے سے تمہاری یہ حالت ہو گئی تھی - جیسے کوئی شخص ایک ایسے گڑھے پر لا کر کھڑا کر دیا گیا ہو - اور ہر گھڑی اور ہر لحظہ یہی گمان ہو کہ اب گرا - اور جل کر راکھ ہوا -

دیکھو

قرآن پاک کی برکت اور پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کی طفیل تمہیں اس خوفناک حالت سے بچا لیا گیا - اور اللہ عزوجل اپنی آیتوں کو تمہارے لئے کھول کھول کر بیان کرتا ہے تاکہ تم ہدایت پا جاؤ - اللھم اجعلنا منھم

بدبخت اور بدنصیب

ہیں وہ لوگ جو قرآن عزیز کے دامن میں نہیں آتے اور سنت حبیب کبریا صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنا اوڑھنا اور بچھونا نہیں بناتے -

اللھم لا تجعلنا منھم

عظیم انقلاب

قرآن عزیز کی اوپر بیان کی ہوئی آیات اور ان کی شرح سے یہ بات خاص طور پر واضح ہوتی ہے کہ قرآن عزیز نے ایمان لانے والوں میں یہ عظیم انقلاب برپا کر دیا تھا کہ وہ لوگ جو ایک دوسرے کے جان کے دشمن اور خون کے پیاسے تھے - آپس میں شیر و شکر ہو گئے، دوست بن گئے اور ایسے دوست بن گئے کہ ایک دوسرے پر جان چھڑکنے میں سعادت اور راحت سمجھنے لگے - پھر یہی نہیں بلکہ وہ لوگ جو دوزخ کے کنارے کھڑے تھے - بہشت کے وارث بھی بن گئے -

پہلی امتوں کی حالت

تاریخ و کتب سماوی کا مطالعہ کرنے سے پتہ چلتا ہے کہ قرآن مجید پر ایمان لانے سے پہلے خدائی احکام جھٹلانے کے باعث لوگوں کی زندگی حیوانوں سے بھی بدتر تھی - چنانچہ مولانا حالی فرماتے ہیں ؎

چلن ان کے جتنے تھے سب وحشیانہ
ہر اک لوٹ اور مار میں تھا یگانہ
فسادوں میں کٹتا تھا ان کا زمانہ
نہ تھا کوئی قانون کا تازیانہ
وہ تھے قتل و غارت میں چالاک ایسے
درندے ہوں جنگل میں بے باک جیسے
نہ ٹلتے تھے ہرگز جو اڑ بیٹھتے تھے
سلجھتے نہ تھے جو جھگڑ بیٹھتے تھے
جو دو شخص آپس میں لڑ بیٹھتے تھے
تو صدہا قبیلے بگڑ بیٹھتے تھے
بلند ایک ہوتا تھا گر واں شرارہ

تو اس سے بھڑک اٹھتا تھا ملک سارا

یہ ان کی درندگی کا عالم تھا - اب ان کی خونخواری، جوا بازی اور شراب خوری کا حال سن لیجئے :-

خونخواری

جو ہوتی تھی پیدا کسی گھر میں دختر
تو خوف شماتت سے بے رحم مادر
پھرے دیکھتی جب تھی شوہر کے تیور
کہیں زندہ گاڑ آتی اس کو تھی جا کر
وہ گود ایسی نفرت سے کرتی تھی خالی
جنے سانپ جیسے کوئی جننے والی

جوا بازی اور شراب خوری

جوا ان کی دن رات کی دل لگی تھی
شراب ان کی گھٹی میں گویا پڑی تھی
تعیش تھا، غفلت تھی، دیوانگی تھی
غرض اُن کی ہر طرح حالت بُری تھی

حالی مرحوم کی شہادت کے بعد اب اس ارشاد ربانی کو دیدۂ دل میں اتار لیجئے :-

ولقد ذرأنا لجھنم کثیرا من الجن والانس لھم قلوب لا یفقھون بھا ز ولھم اعین لا یبصرون بھا ولھم اذان لا یسمعون بھا ط اولئک کالانعام بل ھم اضل ط اولئک ھم الغفلون ہ

(س اعراف رکوع ۲۲ پ ۹)

ترجمہ :- اور ہم نے دوزخ کے لئے بہت سے جن اور آدمی پیدا کئے اور ان کے دل ہیں کہ ان سے سمجھتے نہیں اور آنکھیں ہیں کہ ان سے دیکھتے نہیں - اور کان ہیں کہ ان سے سنتے نہیں - اور ایسے ہیں جیسے چوپائے بلکہ ان سے بھی گمراہی میں زیادہ ہیں - یہی لوگ غافل ہیں -

حاصل

یہ نکلا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے پہلے لوگ قرآنی تعلیمات سے بے بہرہ ہونے کے باعث حیوانوں اور چوپایوں سے بھی بدتر تھے۔

قرآن کریم کا فیضان

وہی امت جو پہلے درندوں اور چوپایوں سے بدتر تھی اور جسے شرامت کہنا بجا تھا - جب قرآن مجید کی تعلیمات پر عمل پیرا ہوئی تو سب امتوں سے بہتر امت قرار پائی - بدو ساری دنیا کو اخلاق سکھانے والے بن گئے - شتربان جہان بان کہلائے - بکریوں کے چرانے والے کائنات کے حاکم بن گئے - شرامت کو خیر امت کہا جانے لگا - اور بارگاہِ خداوندی سے ان کے باب میں یہ فرمان شاہی نازل ہوا۔

کنتم خیر امۃ اخرجت للناس تامرون بالمعروف وتنھون عن المنکر وتؤمنون باللہ ط

ترجمہ :- تم سب امتوں سے بہتر ہو جو لوگوں کے لئے بھیجی گئیں - اچھے کاموں کا حکم کرتے ہو اور برے کاموں سے روکتے ہو اور اللہ پر ایمان لاتے ہو -

خیر امت کیوں کہا گیا؟

جتنی امتیں اصلاح خلق اللہ کے لئے دنیا میں بھیجی گئیں - ان سب میں سے بہتر امت سید المرسلین خاتم النبین علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کی اس لئے قرار پائی کہ انہیں جو دستور العمل دیا گیا - زندگی کا جو ہدایت نامہ ان کے سپرد کیا گیا - اور جس جامع و اکمل اور غیر متبدل قانون کی اتباع کا انہیں حکم دیا گیا - وہ بھی سابقہ تمام قوانین سے بہتر، ازلی و ابدی قانون ہے - فلاح دارین کا یقینی رہنما، اور واضح ہدایت نامہ ہے - چنانچہ ایسے قانون کے متبع ایسے اعلیٰ و ارفع نظام حیات کے پیروکار اور اس قدر بے مثال قانون پر عمل کرنے والے خیر امت ہی کہلا سکتے تھے -

خیر امت کا فریضہ

اب چونکہ یہ امت سب امتوں سے بہتر اور جامع و اکمل دستور زندگی اپنے پاس رکھتی ہے - سب سے زیادہ نیک و پارسا اور تقویٰ شعار بن کر اسے دنیا پر اپنی برتری ثابت کرنا ہے - اس لئے اس کا فریضہ ہے کہ تمام دنیا کو بہتر بننے کی ترغیب دے اور بہتر بنائے - خود برائیوں سے بچے اور دوسروں کو ان سے بچائے - اس امت کے افراد خود بھی اصلی، کھرے اور سچے ایماندار بنیں اور دوسروں کو بھی اپنے رنگ میں ڈھال کر دکھائیں

دعوت الی الحق کا اثر

برادران عزیز! برائی اگرچہ پوری طرح جڑیں کیوں نہ پکڑ چکی ہو کفر و شرک نے دلوں میں خواہ کیسی ہی تاریکی کیوں نہ پھیلا دی ہو - انسان اپنی انسانیت سے کتنا ہی کیوں نہ گزر گیا ہو - اور حق و باطل میں امتیاز کی طاقتیں کتنی ہی مردہ کیوں نہ ہو گئی ہوں - حق اپنی جگہ حق ہی رہتا ہے اور اسے ایمان و اخلاص کے ساتھ جب بھی پیش کیا جائے - یہ اپنا اثر دکھائے بغیر نہیں رہتا - سخت سے سخت منکروں کے سر بھی اس کے آگے جھک جاتے ہیں - بڑے سے بڑے مخالف بھی دعوت الی الحق کی تحریک کے سامنے سپر انداز ہو جاتے ہیں - اور یہ تحریک کسی طاقت کے روکے بھی ہرگز نہیں رُکتی -

دعوت حق کے ہتھیار

دعوت الی الحق کے لئے اللہ پر کامل بھروسہ شجاعت قلب، جرأت لسان، زور آور دست و بازو اور بے پناہ قوت برداشت زبردست ہتھیار ہیں - جو دعوت دینے والا ان ہتھیاروں سے لیس ہو کر اور صبر کی ڈھال ہاتھ میں لے کر نبیوں کے طریقے پر چلتے ہوئے اس عزم سے آگے بڑھے گا کہ خواہ کچھ ہی پیش آئے اور خواہ کیسی ہی مشکلات اور زحمتیں سنگ راہ ہوں - مگر وہ اپنے مشن کو سنبھالے رہے گا - تو وہ کامیاب یقیناً ہو گا اور منزل مراد ہر حال میں بڑھ کر اس کے قدم چومے گی -

ماضی کی شہادت

برادران محترم! اپنے ماضی پر نظر دوڑائیے اور دیکھئے کہ فاران کی چوٹیوں سے مکہ کا یتیم جب دعوت حق کی صدا لے کر اٹھتا ہے تو اس وقت زمانے کی کیا حالت تھی - ابھی ابھی آپ اس حالت کا کچھ نقشہ حالی مرحوم کے اشعار میں ملاحظہ فرما چکے ہیں اب ان حالات کا جائزہ لیجئے - حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی عزیمت کا اندازہ کیجئے - قرآن مجید کی معجزانہ تعلیم اور دعوت الی الحق کا اثر دیکھئے - کس طرح سارے عرب کی کایا پلٹ جاتی ہے - اور حیوانوں سے بدتر مخلوق کیونکر انسانیت کی معلم بن جاتی ہے یقیناً یہ سب کچھ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان معجز بیان کا اثر، نگاہ نبوت کی تاثیر اور تعلیم قرآن کا فیضان تھا -

پھر

یہی دعوت حق کی قرآنی تحریک لے کر جب حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے فیض یافتگان دنیا کے سامنے گئے تو انہوں نے سارے زمانے میں انقلاب برپا کر کے رکھ دیا اور بقول نپولین بونا پارٹ عرب کے بدؤں اور محمد کے نام لیواؤں نے آدھی صدی میں آدھی دنیا پر اسلام کا پھریرا لہرا دیا۔

قرآن میں آج بھی تاثیر موجود ہے -

برادران اسلام! ہمارا ایمان ہے کہ آج بھی ہمارے ہاتھوں میں وہی قرآن عزیز موجود ہے جو تقریباً پونے چودہ سو سال پہلے سید المرسلین خاتم النبین صلی اللہ علیہ وسلم کے وقت موجود تھا - اس میں ذرہ برابر کمی بیشی نہیں ہوئی اور اس کے اندر آج بھی وہی تاثیر موجود ہے - جو خیر القرون میں تھی - ہمارا یہ بھی پورا یقین ہے کہ اس پر عمل کرنے والوں کی امداد کے جو وعدے خداوند قدوس نے پونے چودہ سو سال پہلے کئے تھے وہ آج بھی اسی طرح ہیں اور ان میں رائی برابر فرق نہیں آیا -

باقی صفحہ ۵ پر

مولانا عبدالرحیم اشرف

مجاہد کبیر مولانا محمد یوسف رح

نماز جمعہ (۲۸ ذی قعدہ ۸۴ھ، یکم اپریل ۶۵ء) کے بعد ایک میٹنگ کے لئے تیار ہو رہا تھا کہ ٹیلی فون کی گھنٹی بجی اور ایک کرب ناک آواز سنائی دی" حضرت جی مولانا محمد یوسف صاحب انتقال فرما گئے" "ہیں! یہ کیسی خبر ہے؟ مولانا محمد یوسف وفات پا گئے؟" جی ہاں! صرف اتنی ہی خبر ملی ہے کہ رات دل کا دورہ ہوا اور آج دوپہر وفات پا گئے! یا اللہ! اس خبر کے برداشت کرنے کی ہمت کس میں ہے؟ یہ کیا ہوا؟ تیرے لاکھوں بندوں کی تیری راہ پر لگانے والا مجاہد، سب سے رشتے ناطے توڑ کر تیری جانب متوجہ کرنے والا یہ داعی اب تو نے اسے اپنے ہاں بلا لیا؟ تیرے ہاں تو انبیار کی کمی نہیں لیکن ہم تو فقیر و محتاج ہیں روپے پیسے کے نہیں مال و دولت والے تو ہمارے ہاں بے شمار ہیں مگر ہم محتاج ہیں، تیرے ایسے بندوں کے جو تیری جانب تیری مخلوق کو متوجہ کریں، ان کے قلوب کو گرمائیں ان کے دلوں سے حاضر دنیا کی محبت نکالیں، غائب آخرت کی طلب ان میں پیدا کریں اور وہ یہ کام اس انداز سے کریں کہ انسانی قلوب کی دنیا میں ہلچل مچ جائے لوگ آباد گھروں کو چھوڑ کر ویرانوں کی جانب چلنے لگیں، ان کے دلوں میں تیری محبت موجزان ہو تیرے دین کے لئے وہ تڑپیں اور تیری رضا طلب کرنے کے لئے وہ آبادیوں میں گھومیں، جنگلوں میں پھریں اور ملک ور ملک تیرے نام کی منادی سنائیں،

الہ الحق، تیرا یہ بندہ یہی کام کر رہا تھا، اس نے اپنی جان اسی کام میں کھپا دی اور اپنے گھر بار کو اسی مقصد کے لئے چھوڑا، ——— یہ تیرا ہی کام تھا کہ تو نے لاکھوں انسانوں کے دل اس کی پکار کے لئے کھول دیئے اور آج قریہ، قریہ بستی، بستی اس کی آواز پر لبیک کہنے والے "حیّ علی الصّلوٰۃ حیّ علی الفلاح" کی صدائے دلنواز سنا رہے ہیں۔

مالک الملک! بلاشبہ تو قادر ہے کہ کل ہی اس سے بڑا آدمی پیدا فرما دے، اسے ان سے بھی زیادہ جاہدے کی قوت و صلاحیت عطا فرما دے اور اسے ایسا قبول عام عطا فرما دے کہ اگلی پچھلی سب باتیں ماند پڑ جائیں لیکن۔ رب ذوالجلال ہم نے اپنی زندگیوں میں یہی ایک شخص دیکھا تھا جس کی آواز نے لاکھوں انسانوں کو تیری راہ پر لگا دیا اور ہم یہ محسوس کر رہے ہیں کہ ہمارا یہ سہارا بھی ہم سے چھن گیا۔

یہ تاثرات ہی نہیں، واردات تھے جو اس خبر کے سنتے ہی قلب پر طاری بھی ہو گئے اور ان میں سے بعض کے الفاظ و حروف کی صورت بھی اختیار کر لی،

ایک اضطراب، ایک کرب، ایک غم اور ایک نڈھال کر دینے والا صدمہ تھا، جس نے نیم جان کر دیا اور راقم سطور جیسا، مریض عوارض قلب، واقعہ یہ ہے کہ اس صدمے کو برداشت نہیں کر پا رہا تھا۔

غم و اندوہ کے اسی عالم میں، شاید مرحوم و مغفور کی ذات سے جذبات کی وابستگی، ہی کے نتیجے میں طائر فکر کی پرواز صفات الہیہ کے تصور کی جانب ہوئی، یوں محسوس ہوا جیسے رب ذوالجلال کی صفت "صمدیت" کا شعور ابھی حاصل ہوا ہے، اگر قلب کی زبان ہوتی تو اس کے احساسات یوں ڈھلتے!

ہم، اس دنیا کے رہنے والے، ایک شخصیت کو اپنے لئے، اپنی ملّت کے لئے، اس دنیا کے بسنے والوں کے لئے اور بالآخر خدا کے دین برحق کی خدمت اور اس کے کلمے کی سربلندی کے لئے ضروری خیال کرتے ہیں، ہمارا مشاہدہ یہ ہے کہ اس عظیم شخصیت کے بلاوے پر ہزاروں لاکھوں انسان گھر بار چھوڑ کر اپنے بھائیوں کے قلوب میں ایمان کی تخم ریزی اور اعمال صالحہ کی آبیاری کے لئے دیوانہ وار پھر گھوم رہے ہیں جس شخص کے ایمان کی حرارت نے مشرق و مغرب اور عجم و عرب میں ایک حرکت پیدا کر دی ہے، اس شخص کا موجود رہنا از بس ضروری ہے اگر یہ نہ رہا تو یہ کام رُک جائے گا، نہیں تو کمزور تو ضرور پڑ جائے گا۔ اور نہیں کہا جا سکتا، اس کے بعد کب وہ "دانائے راز" آئے گا۔ جو پھر سے ایمان کی منادی دے اور اس کے جواب میں "آمنّا" کی ایمان خیز صدائیں، بلند ہوں،

ہم، اپنی دنیا میں مستغرق ہونے کی وجہ سے اس طرز پر سوچتے ہیں، اس لئے کہ ہم محتاج ہیں اور محتاج جب اتنا بلند پرواز نہ ہو کہ اس کا تعلق عرش الہٰی سے مستحکم ہو چکا ہو تو وہ "اشخاص" کے اردگرد اور "اشیار" کے چاروں طرف ہی گھوما کرتا ہے لیکن وہ ذات جو "احتیاج" کے عیب سے پاک ہے، جس کے فیصلے اشخاص اور اشیار کے سہارے سے بے نیاز ہیں، اور جس نے اپنے دین کو بھی اپنی صفات ہی کی طرح مادی وسائل اور شخصی نصرت سے بے نیاز کر رکھا ہے۔ (الا تنصروہ فقد نصرہ اللہ ... الایۃ) اس ذات اکبر، کی شان بے نیازی، اس کی صفت صمدیت اور اس کے پسندیدہ دین کا احسان ناشناس مزاج (قل لا تمنوا علی اسلامکم بل اللہ یمن علیکم ان ھداکم للایمان) کب اس کا متحمل ہو سکتا ہے کہ افراد مدعیان کے سہارے پر اپنے ماننے والوں کو تکیہ کئے رہنے دے، وہ تو چاہتا ہی یہ ہے کہ اس کے بندے اس کے غلام، اس کے چاکر، اسی کی ذات سے متعلق رہیں اسی کو سہارا بنائیں (وعلیہ فلیتوکل المتوکلون) اسی کو اپنا وکیل و کار ساز جانیں اور اسی کو اپنے لئے سمجھیں، (حسبنا اللہ، نعم الوکیل، نعم المولیٰ و نعم النصیر)

یہ اور اسی قسم کے احساسات یکایک قلب میں موجزن ہوئے اور یوں محسوس ہوا کہ، مولانا مرحوم اپنے مخصوص انداز میں فرما رہے ہیں:۔

"اشیار کو معبود نہ بناؤ، اشیار پر اعتماد نہ کرو، صورتوں پر متوجہ نہ ہو، ان سے کچھ نہ ہو گا۔ وسائل کی حقیقت کچھ بھی نہیں۔ جو کچھ بھی ہوتا ہے اعمال سے ہوتا ہے۔ صفات سے ہوتا ہے اور جو کچھ ہوتا ہے، رب الاشیار اور رب الصور ہی کرتے ہیں، اسی کو جانو، اسی کو پہچانو اور اسی کو مانو، وہی جو نوح کا رب تھا، اسی نے موسٰی کو دریائے نیل سے محفوظ رکھا تھا، جس نے محمد صلی اللہ و سلم کو دشمنوں سے بچایا تھا، وہی رب تمہارا رب ہے، تم اس پر اعتماد رکھو اس پر توکل کرو اور اسی پر ایمان لاؤ"

اس احساس نے بڑی ڈھارس بندھائی یا یوں کہیے کہ اس غم کو برداشت کرنے کی سکت اس سے پیدا ہوئی۔ مگر کمزور ایمان، جذباتی طبیعت اور سکینت سے محروم قلب، استقلال و استقامت کہاں سے لاتے غم کا ایک ریلا اور آیا اور جذبات نے قلب کو ہلا کر رکھ دیا۔ اُدھر ایک دوسرا تصور قلب پر مستولی ہوا:۔

یہ درست ہے کہ اللہ کی رحمت کی جا پر منتقل ہونے والا۔ عظیم انسان تھا، اس کو خلاق ازل نے محیر العقول قبولیت سے نوازا تھا، اس کی زبان میں بے پناہ، تاثیر ودیعت فرمائی تھی اور اس کی مجاہدانہ سرگرمیوں سے عالم اسلام میں حیات نو کے آثار دکھائی دینے لگے تھے لیکن ان کی عظمت کو اس کی عظمت سے کیا نسبت، جس کے لاکھوں غلاموں میں سے ایک غلام، محمد یوسف (نور اللہ مرقدہٗ) تھے، جس کی ذات رحمت عالمؐ سے منقلب تھی، جسے سرور کونینؐ کا مقام حاصل تھا۔ جس کی حیات طیبہ کا ایک ایک لمحہ اس کرۂ ارض پر بسنے والے لاکھوں عارفین کی پوری زندگیوں سے زیادہ قیمتی، زیادہ مفید، زیادہ ضروری اور زیادہ بابرکت تھا جب وہ بھی اس دنیا میں اپنے اس وجود کے ساتھ نہ رہے۔ جب انھیں اپنے آقا کے حضور بلایا گیا اور جب اس بلاوے میں اس کا قطعاً لحاظ نہیں کیا گیا کہ اہل دنیا کی نگاہوں میں اس وجود باجود کا یہاں رہنا کس قدر ضروری ہے اور اس کی رحلت سے وب و عظیم

انسانوں کے دل ٹوٹ جائیں گے اور کتنے ہیں جو اس محبوب کے نگاہوں سے اوجھل ہو جانے سے تڑپ تڑپ کر جان دیدیں گے جب ان کے بارے میں یہ فیصلہ ہوا، تو آج اس فیصلے پر تعجب کیوں؟ رہا اس فیصلہ پر صدمے کی شدت کا احساس، تو اس صدمے سے بڑے صدمے کو یاد کرو کہ رحمۃ اللعالمین صلی اللہ علیہ وسلم بھی رحلت فرما گئے تھے (فداہ ارواحنا و انفسنا صلی اللہ علیہ و علیٰ آلہٖ وسلم)

اس تصور کے آتے ہی حضور سید الاولین والآخرین صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد وردِ زبان ہو گیا کہ:۔

تمہیں جب بھی کوئی صدمہ پہنچے تو تم میرے صدمے کو یاد کر لیا کرو!

بلاشبہ حضور اکرم فداہ نفسی و ابی و امی کی رحلت سے بڑا صدمہ کسی بھی مومن کے لئے کوئی نہیں ہے۔

ان ہر دو تصورات نے ڈھارس بندھائی اور صدمہ قدرے قابلِ برداشت ہوا لیکن تھوڑے ہی عرصے کے بعد، مرحوم و مغفور کی ایک مجلس کی یاد نے نیم بسمل کر دیا۔

آج سے شاید ۴/۳ سال قبل کا ذکر ہے، مخرمی مختار احمد صاحب انجینئر ٹیلی فون، لائلپور میں تھے ایک رات ان کا فون آیا کہ صبح لاہور کا پروگرام ہے حضرت مولانا محمد یوسف صاحب کی تقریر نماز فجر کے بعد ہوگی، ہم تین بجے (سحری کے وقت) یہاں سے روانہ ہوں گے، اگر آپ ہمارے ساتھ چلیں تو آپ کو گھر سے لیتے جائیں، ہم حسب پروگرام لائلپور سے چلے، فجر کی نماز غالباً "بچیکی" میں ادا کی، بلال پارک پہنچے تو مولانا کا خطاب ہو رہا تھا، حسبِ معمول مولانا پورے جوش سے خطاب فرما رہے تھے، دنیا کی حقیقت کو بے نقاب کرنے اور آخرت کی حیثیت کو واضح کرنے کے لئے بے پناہ دلائل دیئے چلے جا رہے تھے اور یوں محسوس ہو رہا تھا۔ جیسے ایک لاوا ہے جو پورے خروش کے ساتھ پھوٹ رہا ہے اور ماحول کو گرماتے بلکہ پگھلائے جا رہا ہے ۸/۱ بجے خطاب ختم ہُوا۔ محب مکرم مولانا مفتی زین العابدین صاحب کی عنایت خاص سے ناشتہ کرنے کے بہانے حضرت مرحوم و مغفور کی معیت کا شرف حاصل ہوا اور قریب سے یہ دیکھنے اور سمجھنے کا موقعہ ملا کہ شرق و غرب میں پھیلنے والی اس دعوت کا داعی کس انداز سے سوچتا ہے اسے اپنی دعوت سے کس قدر لگاؤ ہے اور اس کی اپنی ذات پر یہ اجتماعی جد و جہد کس قدر غالب ہے،

اللہ اللہ! انہماک مجرّ العقول تھا، اور اللہ کے اس بندے کا دل صحیح معنوں میں اس بات کے لئے تڑپ رہا تھا کہ جو شخص بھی انہیں مل جائے وہ اس کے دل و دماغ کو دستک دیں، موثر تر انداز میں اپنی دعوت اس کے سامنے رکھیں اور مدلل ترین طریق سے اسے یہ سمجھائیں کہ فرمانِ ... قوم و معنی اور دینی ماحول عنداللہ مقبول اور دنیا و آخرت میں فلاح و کامرانی کا ذریعہ ہے جو سید الکونین بآبائنا ہو وامہاتنا صلی اللہ علیہ وسلم کے عہدِ سعادت میں لوگوں نے سنا اور دیکھا تھا

مولانا محمد یوسف نور اللہ مرقدہٗ نے، ناشتے کے دسترخوان پر بیٹھتے ہی، گفتگو شروع فرما دی اور اس انداز سے فرمانے لگے کہ کوئی شخص ان کی گفتگو کے زورِ استدلال کی ندرت اور مطالب کی آمد کا مشاہدہ کر کے یہ تصور نہیں کر سکتا تھا کہ یہ وہی شخص ہیں جو ابھی تین گھنٹے کے زور دار خطاب سے فارغ ہوتے ہیں یہ محسوس ہو رہا تھا کہ ایک تازہ دم خطیب ہیں، ایک ایسے داعی مصروف گفتگو ہوتے ہیں، تاریخ کے صفحات جن کے سامنے کھلے پڑے ہیں اور وہ ایک ایک واقعہ سے عہدِ رسالتؐ کی تصویر کشی اس انداز سے کر رہے ہیں کہ سننے والے کا دماغ ہی نہیں دل بھی یقین کر رہا ہے کہ آپ درست فرما رہے ہیں۔

اس یادگار صحبت میں مولانا علیہ الرحمۃ اس عنوان پر گفتگو فرما رہے تھے کہ بعض لوگ اپنے موجودہ ماحول میں رہتے ہوئے یہ دریافت کرتے ہیں کہ اسلام فلاں مشکل کو کیسے حل کرتا ہے اور فلاں پیچیدگی کو کس طرح دور کرتا ہے مثلاً یہ پوچھا جاتا ہے کہ عہدِ حاضر کی معاشی مشکلات کو اسلام کس طرح حل کرتا ہے؟

مولانا نے فرمایا:۔

"جب خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم مبعوث ہوئے تو جن چند افراد نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوتِ ایمان کو قبول کیا۔ حضورؐ نے ان کے معاشی مسئلے کے بارے میں جو رویہ اختیار فرمایا تھا وہ یہ تھا کہ آپؐ نے سب سے پہلی بات تو یہ فرمائی کہ تم جتنے اوقاتِ معاش کے لئے وقف کئے ہوئے ہو، ان کا بیشتر حصہ اسلام کے لئے فارغ کر دو، دوسرا ارشاد یہ ہوا کہ فلاں ذریعہ کو ترک کر دو، یہ ناجائز ہے، فلاں معیشت سے دستکش ہو جاؤ یہ تمہارے رب کو ناپسند ہے معیشت پر ان دو حملوں کے بعد تیسرا وار حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ کیا کہ جو کچھ تم کماتے ہو یہ صرف تمہارا حق ہی نہیں ہے اس میں تمہارے ان بھائیوں کا بھی حق ہے جو وسائل معیشت سے تہی دامن ہیں اور چوتھی بات آپؐ نے یہ ارشاد فرمائی کہ جو کچھ تم کماؤ، اس میں سے بہت سا، دین کی خدمت خدا کے لئے کلمۃ الحق کی سربلندی اور بنی نوعِ انسان تک اپنی دعوت کو پہنچانے اور راہِ خدا میں جہاد کرنے میں صرف کرو گویا حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا یہ کہ صحابہؓ اسلام قبول کرنے سے پہلے جو کچھ کماتے تھے، اس کا دائرہ محدود کیا جتنے اوقات کمانے پر صرف کرتے تھے ان کی مقدار کم کر کے ان اوقات کو دین کے لئے وقف فرمانے کا حکم دیا، جو کچھ کماتے تھے اس میں دوسروں کا حصہ مقرر فرما دیا۔ اور اس کے بعد بھی جو بچا اس کے بارے میں بھی یہ حکم دیا کہ اس کا ایک حصہ اسلام پر خرچ کر دو یہ ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا طریقہ اس زندگی کے مسائل و مشکلات حل کرنے کا!"

راقم مولانا ممدوح کی یہ گفتگو سن رہا تھا اور محوِ حیرت تھا کہ یہ معاشی فلسفہ ہے کس کتاب میں؟ اور پھر خود ہی اپنے آپ کو جواب دیا کہ بلاشبہ قرآن سنت اور تاریخ عہد نبوت تو اس فلسفہ معیشت کو پیش کرتے ہیں، البتہ ولکن اکثر الناس لا یعلمون

اس کے ساتھ جس بات کا گہرا اثر راقم الحروف نے اس مجلس میں لیا وہ یہ تھی کہ، مولانا محمد یوسف تغمدہ اللہ برحمۃ تین گھنٹے کے خطاب کے بعد اس کمرے میں (آہ وہ کمرہ تھا، جہاں آپ نے اس حیات ناپائیدار کے آخری لمحات گذارے) تشریف تو لائے تھے ناشتے کے لئے مگر آپ اپنی دعوت کے ایک پہلو کی وضاحت میں اس قدر مستغرق تھے کہ نہ صرف یہ کہ انھیں ناشتے کی جانب کوئی توجہ نہیں تھی بلکہ ہوا یہ کہ ایک رفیق نے چائے کی پیالی پیش کی تو آپ نے پکڑ لی۔ دس پندرہ منٹ تک وہ یونہی پیالی ہاتھ میں پکڑے رہے اور پھر ایک شریکِ مجلس کے توجہ دلانے پر آپ نے وہ چائے جو اب پانی کی طرح ٹھنڈی ہو چکی تھی، حلق میں انڈیل لی دوسری پیالی یہ کہہ کر پیش کی گئی کہ "حضرت! یہ گرم ہے، پی لیجئے اور یہ بسکٹ بھی تناول فرمایئے" تو اللہ کے اس بندے نے اس پیالی کے ساتھ بھی یہی سلوک کیا، گفتگو میں مستغرق رہے اور ۱۰۔۱۵ منٹ کے بعد اسے بھی پانی کی طرح پی لیا۔

اس کے بعد اٹھے اور ایک دوسرے اجتماع میں تقریر کے لئے تشریف لے گئے اور یہ پہلے سے معلوم تھا کہ دوپہر سے قبل ایک تیسرا خطاب بھی آپ کو فرمانا ہے

یہ مجاہدہ ٹھیک عملی شہادت تھی اس، تصور مجاہدہ کی جو حضرت مرحوم و مغفور اپنی تقریروں میں پیش فرمایا کرتے تھے گویا قول و عمل دونوں میں وہ صادق بھی تھے اور یکساں بھی (رحمہ اللہ رحمۃً واسعۃً)

مولانا علیہ الرحمۃ سے ملاقات اور بالمشافہ آپ کے خطابات سننے سے پہلے راقم اس سوءِ فہمی کا شکار تھا کہ تبلیغی جماعت، کے اکابرین کا فکر صرف انہی چھ باتوں یا چھ اصولوں تک ہی محدود ہے جو حضرت مولانا الیاس رحمہ اللہ تعالیٰ نے پیش فرماتے تھے اسی طرح یہ پریشانی بھی اس کو لاحق تھی کہ تبلیغی جماعت تو اپنے کام اور افراد کی تعداد کے اعتبار سے بڑھ رہی ہے لیکن اس کے ذمہ دار حضرات، اس جماعت کی ان کمزوریوں اور، کوتاہیوں کا کوئی مداوا نہیں کر رہے بلکہ سچ تو یہ ہے، خیال تھا کہ وہ ان کمزوریوں کو محسوس ہی نہیں کر رہے جو اس قسم کی بڑھنے اور پھیلنے والی، جماعتوں میں ہمیشہ پیدا ہوا کرتی ہیں اور جماعتیں انہی اندرونی کمزوریوں کی وجہ سے ہی ختم ہو جایا کرتی ہیں اس پریشانی کو بیک وقت دو چیزوں

باقی صفحہ ۵۸ پر

ایک سراپا داعی

ارشاد فاروق بہاولنگر

اپنے شہر میں غالباً میں پہلا آدمی تھا جس نے حضرت جی کی موت کی دردناک خبر کو سب سے پہلے سنا۔ یقین نہیں آتا تھا۔ دل کو اس خبر کی سچائی سے قطعاً انکار تھا۔ حضرت میری آنکھوں کے سامنے پھر رہے تھے۔ اور ان کی تقریر کے الفاظ کانوں میں گونج رہے تھے۔ تین ہی دن تو ہوئے تھے کہ عصر کی نماز سے کچھ پہلے حضرت جی کے پیر دبا رہا تھا۔ افسوس! کیا خبر تھی کہ اس کے بعد دنیا میں زیارت نہ ہو سکے گی اور نہ خدمت کی سعادت پھر ملے گی۔ کسی عارف نے سچ کہا ہے کہ یہ زندگی بہت مختصر ہے لیکن اس کا دھوکا بہت بڑا ہے۔ اس دھوکے میں پڑ کر انسان سعادت کے کتنے ہی موقعوں کو گنوا دیتا ہے۔ خوش نصیب اور قابل رشک ہیں حضرت جی انسان جو اپنی زندگی کے ایک ایک لمحے میں اپنے مولا کی رضا کا سامان کرتے ہیں۔ حضرت جی سراپا داعی تھے اور انہوں نے اپنی تمام صلاحیتوں اور قوتوں کو دعوت کے لیے وقف کر رکھا تھا۔ ان کی موت کے بعد قدرتی طور پر لوگوں کی زبانوں پر یہ سوالات آنے لگے۔ حضرت کے مشن کا اب کیا ہوگا۔ اس کام کے لیے ایمانوں کو گرمانے والا اور جذبات کو ابھارنے والا اب کون آئے گا۔ دنیا کی زیب و زینت، اس کی کشش اور مشاہد منافع کے مقابلے میں آخرت کے غیبی ترغیبات کو اس حکیمانہ انداز سے اب کون بیان کرے گا کہ لاکھوں انسان دیوانہ وار گھر چھوڑ کر خدا کے راستے میں پھرنے کے لیے آمادہ ہو جائیں۔" میں بھی اسی قسم کے وساوس میں مبتلا تھا کہ معاً حضرت جی کے یہ الفاظ کان میں گونج اٹھے۔ مخلوق سے کچھ بھی نہیں ہوتا۔ سب کچھ خالق سے ہوتا ہے۔ ہماری محنت بھی مخلوق ہے۔ اس سے کچھ بھی نہیں ہوگا۔ قربانیوں والی محنت کے بعد جب رو کر دعا کریں گے تو خالق اس محنت سے خوش ہو کر محض اپنی قدرت سے عالم کے دلوں کے پھیر دے گا۔" شاید اسی لیے احباب سے فرمایا کرتے تھے کہ اجتماعات پر لوگوں کو صرف میری زیارت اور دعا کی خاطر نہ لایا کرو۔ بلکہ اللہ کی رضا۔ دعوت کی عظمت اور آخرت کے اجر و ثواب کی بنیاد پر آمادہ کر کے لایا کرو۔ میواتیوں سے خصوصاً فرمایا کرتے تھے۔ تم میں بہت سے صرف میری زیارت اور مصافحہ کی نیت سے آتے ہیں اور چلے جاتے ہیں۔ میں کہتا ہوں اس کام کی عظمت کو سمجھو جس کی وجہ سے خدا نے تمہارے دل میں میری محبت اور عقیدت ڈالی ہے۔ اس کام میں اپنا وقت اور جان و مال لگاؤ اور اس کام سے پیار جوڑو میری ذات تو فانی ہے۔ وہ تو مجمع کو بتایا کرتے تھے کہ یہ کام کسی کی ذات کا محتاج نہیں ہے بڑی شخصیتوں کو جوڑنے کی کوشش محض اس لیے کرنا کہ ان کی سے کام چلے گا۔ غلط ہے۔ اسی لیے ہر کام مشورہ سے کرتے اور جو کچھ مشورہ میں طے پا جاتا اس کی پوری پابندی فرماتے تھے۔

حضرت جی کے لیے دنیا کی کسی چیز میں کوئی کشش نہیں تھی۔ ان کی تمام دلچسپیاں سمٹ کر دعوت کے کام میں آ گئی تھیں۔ حال یہ تھی کہ حضرت جی اس کام کے پیچھے اپنے کھانے پہننے اور راحت و آرام کو بھی بھول جاتے تھے۔ میں جانتا ہوں کہ اس بات کو بہت سے لوگ مبالغہ سمجھیں گے۔ اور ایسے دماغ قطعاً قبول نہیں کریں گے۔ جو زندگی کا مقصد ہی کھانا پینا اور عیش کرنا سمجھتے ہیں۔ لیکن یہ حقیقت واقعہ ہے کہ حضرت کو کھانے کے لیے بھی کئی کئی بار یاد دلانا پڑتا تھا اور کئی دفعہ دعوت کی گفتگو کی وجہ سے سامنے رکھا ہوا کھانا بالکل ٹھنڈا ہو جاتا تھا۔ کھاتے تو اتنا کم کہ خدام کو مزید کھلانے کے لیے اصرار کرنا پڑتا۔ بالکل یہی معاملہ آرام کا تھا۔ تقریر و تشکیل میں اور اس کے بعد خاص مجلس کی گفتگو میں اکثر رات ڈھل جایا کرتی تھی۔ خدام کے اسرار پر برائے نام آرام فرماتے اور پھر جلدی سے اپنے رب کے حضور کھڑے ہو کر راز و نیاز میں مشغول ہو جاتے۔ آج کہا جاتا ہے کہ ہم عمدہ، مرغن اور لذیذ غذائیں اس لیے کھاتے ہیں کہ دین کا کام کرنے کے لیے قوی اور طاقتور رہیں۔ آرام و راحت کے سامان کی فراوانی کا بہانہ بنایا جاتا ہے کہ یہ سب کچھ دعوت کے کام کی تھکاوٹ کو دور کرنے کے لیے ہے۔ کہتے ہیں کہ یہ کاریں۔ کوٹھیاں اور ولایتی قسم کا فرنیچر اس لیے ہے کہ دین کا کام کرنے والوں کی شان رعب اور دبدبہ قائم ہو اور لوگ ہمیں محتاج اور فقیر نہ سمجھیں۔ یہ فرمانے والے وہ لوگ ہیں جو داعی اول صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے تربیت یافتہ صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کی سیرت سے بالکل بے بہرہ ہیں (اگر وہ مقدس ہستیاں بھی اپنی دعوت کی خاطر اس قسم کے سامان مہیا کرنے میں لگ جاتیں تو یقیناً اسلام چند ہی نفوس یا خاندان تک محدود رہ جاتا) ان آرام پسند داعیوں کی دعوت سے جو اسلام وجود میں آ رہا ہے اس میں خدا کی بندگی کے ساتھ ساتھ خواہشات کی بندگی بھی نمایاں ہے۔ کاش اس قسم کے لوگ حضرت جی کی صحبت میں آ کر اس نکتہ کو سمجھتے کہ اصل مجنوں وہ ہیں جو وصل لیلیٰ کی لذتوں کے اضافے کے لیے دودھ پیتے تھے اور حلوہ کھاتے تھے بلکہ اصل مجنوں وہ تھا جس کو لیلیٰ کی محبت کے جنون نے تمام لذتوں سے بے نیاز کر دیا تھا۔ صرف لیلیٰ کے عشق کی گرمی اس کی زندگی کا سہارا تھی۔ کیا ان میں زمین و آسمان کا فرق نہیں۔

حضرت کے خطاب کا طرز بھی بالکل نرالا تھا۔ خدا کی ذات و صفات کو اس طرح کھول کھول کر بیان فرماتے تھے کہ توحید کے موضوع کا بڑے سے بڑا مقرر بھی رشک کرنے لگتا تھا۔ اور یہ بیان اس حکمت سے فرماتے کہ کٹر مشرک بھی توحید کی طرف رغبت کرنے لگتا۔ لیکن سارے خطاب میں دل آزاری کا کہیں نام و نشان تک بھی نہ ہوتا۔ حضرت جی کے بیان کو سننے کے بعد اس خیال کی تردید کرنی پڑتی تھی کہ توحید بیان کرو گے تو مشرکین کی ناراضگی مول لینی ہی پڑے گی۔ سیرت پاک کا بیان اس محبت اور مزے سے فرماتے کہ دشمن رسول کے دل میں حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت داخل ہو جائے۔ صحابہ کرام اور سلف صالحین کی مبارک زندگیوں کا ذکر اس طرح کرتے گویا ان حضرات کی صحبت میں رہ کر آئے ہیں۔ آخرت، جنت اور دوزخ کا بیان ایسے یقین کے ساتھ فرماتے کہ گویا آنکھوں دیکھا بیان ہو رہا ہے۔ اعمال کے فضائل پر آتے تو ہر دل میں عمل کی لگن پیدا ہو جاتی۔ امت کی موجودہ حالت کو بہت کم بیان فرمایا کرتے تھے۔ لیکن جب کبھی زبان پر ذکر آ جاتا تو دل بھر آتا۔ آنکھیں اشک بار ہو جاتیں اور بڑے درد سے فرماتے دوستو! اسلام کے دشمنوں نے انتہائی عیاری سے اس امت کو بداعمالی اور بے حیائی کے گڑھے سے باہر نکالنے کے لیے جان و مال کی بازی لگانے کی ضرورت ہے۔ غرض ایسا بیان ہوتا کہ ہر دل میں دین کی محنت کا احساس زندہ ہو جاتا تھا۔

حضرت جی کی کس کس خوبی کا ذکر کیا جائے۔ ان کا ہر عمل قابل رشک تھا۔ ان کی ساری زندگی سنت کے سانچے میں ڈھلی ہوئی تھی۔ وہ رات دن امت کی بے دینی کے غم میں ماہی بے آب کی طرح تڑپتے تھے۔ اور مسلمانوں کی زندگی کے ہر شعبے میں سنتوں کے احیاء کے لیے بے قرار تھے۔ کبھی تاجروں کو جمع کرتے اور ان کے سامنے تاجر صحابہؓ کی زندگی کے واقعات ایسے انداز سے بیان کرتے کہ تاجر ل

کو اپنی تجارت کے کرتوتوں پر شرم آنے لگتی۔ اوران کے سر ندامت سے جھک جاتے۔ کبھی ملازم حضرات کو بلاتے اوران کے سامنے صحابہ کرام کی حکومتوں اور ملازمتوں کے واقعات کو دھراتے۔ اسلامی عدالت کے برکات وفضائل سنا کر ملازمت والے احکام کی ترغیب دیتے۔ اسی طرح کبھی زمینداروں سے خطاب کرتے کبھی طلبا سے اور علما سے۔ سرمایہ دار اور مزدور کی کشمکش کا نقشہ کھینچتے اور صحابہ کرامؓ اور حضور پاک صلعم کی زندگی مبارک کے اسوۂ حسنہ سے ان کا حل پیش فرماتے اور ہر طبقے کے کام کرنے والوں کے دلوں کے چور کو ایسا اجاگر کرتے کہ گویا خود اس شعبہ میں کام کرچکے ہیں۔ حضرت جی کی دعوت کی وسعت اور اُس کے ہمہ گیر اثرات دیکھ کر مجھے ان لوگوں کی ادھوری واقفیت پر رحم آنے لگتا جو حضرت جی کی دعوت کو صرف چھ نمبروں میں محدود سمجھتے ہیں اور اس کام کو ہلکا سمجھ کر اس طرف متوجہ نہیں ہوتے۔ اور بعض اوقات تنقید بھی کرنے لگتے ہیں۔ حالانکہ یہ بات بالکل ایسی ہے جیسے کوئی تعلیم بالغاں کے مرکز میں جا کر اعتراض کرے کہ آپ بوڑھے آدمیوں کو بھی الف باتا پڑھاتے ہیں۔ یہ بچوں کا سبق ہے بڑے میاں کو کتاب پڑھاؤ۔ حالانکہ بدقسمتی سے بڑے میاں کو الف باتا ہی نہیں آتے۔ جب تک یہ یاد نہ ہوں کتاب شروع کرانا حماقت ہے۔ اس وقت امت میں بنیادی اعمال ہی موجود نہیں ہیں اس لیے تکمیلی احکام کے زندہ کرنے کی تمام کوششوں میں ناکامی کا منہ دیکھنا پڑ رہا ہے۔

حضرت جی دعوت کے عمل کو تسخیر عالم کا عمل سمجھتے تھے۔ اور پورے یقین کے ساتھ فرمایا کرتے تھے کہ اگر تم اس کام میں لگنے کا حق ادا کردو تو ایٹم بم اور ہائیڈروجن بم والے اپنے اسباب سمیت تمہارے غلام بن جائیں گے۔ مسلمان ہونے کی حیثیت سے اس کا اعتراف تو سب کو ہے لیکن دل میں یہ الجھن تھی کہ عملی طور پر یہ کس طرح ہوگا۔ کچھ عرصے بعد ایک واقعہ پیش آیا جس سے دل بحمدللہ پوری طرح مطمئن ہوگیا۔ ہوا یہ کہ سرگودھے میں اجتماع تھا۔ چند امریکن دوست بھی آئے ہوئے تھے۔ ایک پڑھے لکھے دوست امریکن حضرات سے انگریزی میں گفتگو کر رہے تھے۔ ہم لوگ چونکہ ذہنی طور پر امریکہ کی مادی ترقی اور وسائل سے مرعوب ہیں اس لیے ہمارے پاکستانی بھائی نے دوران گفتگو میں کہا کہ آپ امریکن لوگ ہمارے بڑے بھائی ہیں۔ امریکن دوست نے اس کے جواب میں جو فقرہ کہا اس نے ان تمام پردوں کو چاک کر دیا جو مرعوبیت نے میرے ذہن پر ڈال رکھے تھے۔ انہوں نے فرمایا "نہیں نہیں تم پاکستانی لوگ ہمارے بڑے بھائی ہو کیونکہ تم نے ہمیں دین سکھایا ہے۔ سکھانے والا بڑا اور سیکھنے والا چھوٹا ہوتا ہے۔" غور کریں یہ اس فرعون قوم کے ایک فرد کے بول ہیں جو ہم کو ایک پرکاہ کے برابر حیثیت دینے کو تیار نہیں اور شاید سو سال تک بھی مادی لائن سے ہم ان سے بڑے نہ بن سکیں۔ یہ الفاظ حضرت جی کے بیان کردہ حقیقت کی کھلی شہادت ہیں کہ دعوت کا عمل تسخیر عالم کا عمل ہے۔ لیکن قوموں کی تسخیر افراد سے نہیں قوم ہی کے ذریعے ممکن ہے۔ اللہ پاک ہمیں قومی پیمانے پر اس کام کے کرنے کی توفیق عطا فرمائے آمین۔

حضرت جی کی تمام صفات میں جو بات مجھے سب سے زیادہ محبوب تھی وہ حضرت جی کی دعا کا طریقہ تھا۔ نہایت عاجزی سے اور بہت ہی درد اور بے قراری سے دعا شروع فرماتے پُرسوز لہجے اور الفاظ سے مجمع پر گریہ طاری ہو جاتا۔ اے اللہ.... اے اللہ.... اس درد کے ساتھ بلند آواز سے کہتے کہ لوگوں کی چیخیں نکل جاتیں۔ آہ و فغاں کا عالم بپا ہوجاتا۔ یوں محسوس ہوتا کہ حضرت جی نے ہمیں خدا کے حضور میں لے جا کر کھڑا کر دیا ہے اتنی لمبی دعا فرماتے کہ گویا اپنے رب سے قبول کرا کر چھوڑیں گے۔ بالکل اس بچے کی طرح جو اپنی مطلوبہ چیز کو حاصل کرنے کے لیے رو رو کر جان کو ہلکان کرتا ہے اور ماں کے پیروں سے لپٹا پھرتا ہے۔ یوں محسوس ہوتا تھا کہ خدا کی رحمت متوجہ ہو رہی ہے۔ دعا کی مقبولیت کا یقین دل میں ہونے لگتا۔ مغفرت کی دعا کے بعد ہدایت عامہ کی دُعا پر سب سے زیادہ زور دیتے تھے اور آنے والی نسلوں تک کے لیے دُعا فرماتے تھے۔ اللہ پاک ہماری ان تمام دعاؤں کو قبول فرمائیں جو حضرت کے ساتھ مل کر کی تھیں اور ہمیں بھی حضرت جی والے جذبے کے ساتھ محنت کر کر دعا مانگنے کی توفیق بخشیں آمین۔ اللہ پاک مرحوم کے درجات کو انتہائی بلند فرمائیں آمین۔ ان تمام کمالات اور صفات اور اتنی محنت اور مجاہدے کے باوجود حضرت کی سادگی اور بے نفسی کا یہ عالم تھا کہ سفر میں کام کرنے والوں کے درمیان ناواقف آدمی کے لیے حضرت کا پہچاننا مشکل ہوتا تھا۔ غالباً ۱۹۵۸ء کی بات ہے۔ حضرت جی ایک بڑے قافلے کے ساتھ ٹرین میں پشاور سے کراچی کا سفر کر رہے تھے۔ گاڑی بارہ بجے دوپہر کے بعد لاہور پہنچی تھی اور کچھ دیر کا سٹاپ تھا۔ پروگرام کی کوئی تشہیر نہیں کی گئی تھی۔ لیکن

باقی صفحہ ۵۸ پر

مرتبہ ——— میر عبدالحلیم گوجرانوالہ

حضرت جی کی ایک یادگار تقریر

رئیس التبلیغ حضرت مولانا محمد یوسف نور اللہ مرقدہٗ نے یہ تقریر دل پذیر اپنی وفات سے ایک ہفتہ قبل گوجرانوالہ میں نماز جمعہ سے قبل فرمائی تھی۔ گویا یہ آپ کی زندگی کا آخری جمعہ تھا۔ جس میں آپ نے تقریر فرمائی۔ اس سے اگلے جمعہ کو لاہور بلال پارک میں آپ کا وصال ہو گیا۔ اور آپ ہم سب کو سوگوار چھوڑ کر اپنے خالق حقیقی سے جا ملے۔
اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ ط

نَحْمَدُہٗ وَ نُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِہِ الْکَرِیْم ط

میرے بھائیو اور دوستو! انسان کو حق تعالےٰ شانہٗ نے تھوڑے دنوں کے لئے اس دنیا میں بھیجا ہے اور محنت کی دولت دے کر بھیجا ہے اور اس لئے بھیجا ہے کہ اپنی محنت کو اپنے اوپر خرچ کر کے قیمتی بنا لے۔ اگر اس نے اپنی محنت کو اپنے اوپر خرچ کر کے اپنے کو قیمتی بنا لیا تو حق تعالےٰ شانہٗ دنیا میں بھی رحمتوں کی بارش برسائیں گے۔ انعامات کی بارش برسائیں گے۔ کامیابیوں کے دروازے کھولیں گے۔ اور جب یہ مرجائے گا تو اس کی قیمت کے اعتبار سے جتنا اس نے اپنے قیمتی بننے میں محنت کی ہو گی اور جتنا اپنی ذات کو قیمتی بنا لیا۔ اس کے اعتبار سے اسے جنت کے درجے عطا فرمائیں گے۔ ساتوں زمینوں آسمان سے دس گنے سے زیادہ سے لے کر لاکھوں اور کروڑوں گنا تک ایک انسان کو ملے گا۔ اس کی اپنی قیمت کے اعتبار سے اس کے اندر کیا قیمت ہے، اب میرے عزیز دوستو! یہ جو انسان کی محنت ہے۔ یہ دو رخی ہے۔ اس محنت سے دو رُخ پہ بنتا ہے۔ باہر چیزوں کی شکلیں بنتی ہیں۔ انسانوں کی محنت سے، سڑکوں کی شکل، موٹروں کی شکل، سواریوں کی شکل، غذاؤں کی شکل، حلووں کی شکل، کھانے پینے کی چیزوں کی شکل، سواریوں کی مکان کی شکل تو چیزوں کی شکلیں تو بنتی ہیں انسان کے باہر اور یقین کی شکلیں بنتی ہیں۔ انسان کے اندر نیت کی شکلیں بنتی ھیں۔ انسان کے اندر علم اور جہل کی شکلیں بنتی ہیں۔ انسان کے اندر غفلت اور ذکر بنتا ہے۔ انسان کے اندر، اخلاق اور بد اخلاقی کا نور اور ظلمت بنتا ہے۔ انسان کے اندر تو انسان کی محنت ہے۔ جس طرح باہر چیزوں کی شکلیں بنتی ہیں۔ اس طرح اندر میں ایمان کی یقین کی اخلاق کی محبّت کی عداوت کی شکلیں اندر میں بنتی ہیں۔ محنت کرتے کرتے کسی سے محبت کرنے والا بنتا ہے۔ کسی سے عداوت کرنے والا بنتا ہے، محنت کرتے کرتے کسی پہ اعتماد کرنے والا بنتا ہے کسی پہ اعتماد نہ کرنے والا بنتا ہے۔ محنت کرتے کرتے کسی پر یقین کرنے والا بنتا ہے کسی پہ یقین نہ کرنے والا بنتا ہے۔ تو محنت سے چیزوں کی شکلیں تو بنیں گی۔ باہر اور یقین کی نیت کی علم دھیان کی محبت کی عداوت کی، اعتماد کی بھروسے کی یہ شکلیں انسان کے اندر بنیں گی۔ جو باہر بن رہی ہیں۔ شکلیں چاہے وہ وزیروں کے ہاتھ میں ہوں۔ شکلیں چاہے وہ صدروں کے ہاتھ میں ہوں۔ شکلیں چاہے وہ گورنروں کے ہاتھ میں ہوں چاہے وہ ان سرمایہ داروں کے ہاتھوں میں شکلیں ہوں چاہے وہ مزدوروں کے ہاتھوں میں شکلیں ہوں۔ شکلوں کو انسان ہر جگہ منتقل نہیں کرتا۔ اور ان چیزوں کی شکلیں انسان کے ساتھ ہر جگہ منتقل نہیں ہوتیں آپ لاہور جائیں گے تو آپ نے بیس، تیس، چالیس، پچاس سال کی محنت سے جتنی دکان کی شکل بنائی ہے اور کوٹھی کی شکل بنائی ہے یا باغیچے کی شکل بنائی ہے یا عیش کی شکلیں بنائی ہے وہ آپ کے ساتھ لاہور نہیں جائیں گی کراچی نہیں جائیں گی۔ ملتان نہیں جائیں گی جو باہر کا بنا ہوا ہے وہ یہیں چھوڑ کے جاؤ گے، کچھ پیسے لے جاؤ گے، کچھ نقدی لے جاؤ گے۔ کچھ لے جاؤ گے اکثر باہر کا بنا ہوا چھوڑ جاؤ گے۔ سڑکیں یہیں چھوڑ جاؤ گے۔ پل یہیں چھوڑ جاؤ گے اور جب اس ملک سے دوسرے ملک میں جاؤ گے تو نقدی بھی چھوڑ کے جانی پڑے گی ساری نقدی بھی ساتھ نہیں لے جا سکتے۔ جتنا پیسہ بنا ہوا ہے۔ سب یہیں چھوڑ جاؤ گے۔ جتنا حکومت تمہیں اجازت دے گی اتنا لے جا سکو گے۔ دوسرے ملک میں، سارا بنا ہوا اس کی شکل میں نہیں لے جا سکو گے اور پھر اس دنیا سے جب آپ آخرت کی طرف جائیں گے تو باہر کا جتنا بنا ہوا ہے وہ سو فیصد یہاں چھوڑ کے جانا پڑے گا۔ بدن کے کپڑے تک چھوڑ کے جانے پڑیں گے۔ یہ عینک تک چھوڑ کے جانی پڑے گی۔ جس کے بغیر ہمارا گزارہ نہیں ہوتا۔ گھڑیاں چھوڑ کے جانی پڑیں گے۔ یہ جوتے چھوڑ کے جانے پڑیں تو باہر کا جتنا بنا ہوا ہے تو یہ دُنیا میں کسی نے کہیں ساتھ چھوڑا کسی نے کہیں ساتھ چھوڑا آخری چیزیں جو ساتھ چھوڑیں گی وہ اس وقت ساتھ چھوڑیں گی۔ جب یہ رُوح جسم سے نکل کر خدا کی طرف چلے گی۔ اس وقت جو کچھ تھا یہ دنیا کا باہر کا بنا ہوا۔ وہ سارا یہیں کا یہیں رہ جائے گا۔

لیکن میرے عزیز دوستو! جو انسان
کے اندر بنتا ہے - انسان اسے چوبیس
گھنٹے جہاں جاتا ہے - اپنے ساتھ لے
کے جاتا ہے - پاخانوں میں جاؤ گے
تو جو کچھ اندر کا بنا ہوا ساتھ لے کے
جاؤ گے - دسترخوان پر بیٹھو گے تو جو
کچھ اندر کا بنا ہوا ہے - ساتھ لے کے
بیٹھو گے - چارپائی پر سونے کے لئے
جاؤ گے - چارپائی پر لیٹو گے تو اندر کا
جو کچھ بنا ہوا ہے ساتھ لے کے لیٹو
گے - اگر لاہور جاؤ گے اندر کا بنا ہوا
سارا لے کے جاؤ گے - کراچی جاؤ
گے سارا لے کے جاؤ گے - دنیا کے
کسی ملک میں جاؤ گے اندر کا سارا لے
کے جاؤ گے جو یقین اندر میں بنا ہوا
ساتھ جائے گا - اور جو محبت اندر میں
بنی ہوئی ساتھ جائے گی جو عداوت اندر
میں بنی ہوئی ساتھ جائے گی جو علم اندر
میں بنا ہوا ساتھ جائے گا جو دھیان اندر
میں بنا ہوا ساتھ جائے گا جو اعتماد اور
بھروسہ اندر میں بنا ہوا جائے گا تو اندر کا
بنا ہوا ہر وقت ساتھ چلتا ہے اور
باہر کا بنا ہوا ہر وقت ساتھ نہیں چلتا
یہاں تک کہ جب دنیا سے آخرت کی
طرف انسان منتقل ہو گا تو اندر کے
بنے ہوئے کو سو فیصد ساتھ لے
جائے گا - اب اگر وہ بنا جو قیمتی ہے
تو یہ جہاں جاتا ہے کامیاب ہوتا ہے
اور اگر اندر میں وہ بنا جو بے قیمت
ہے تو جہاں جاتا ہے ناکام ہوتا ہے
وہ اخلاق بنا جس میں عزت ملتی ہے وہ
یقین بنا جس میں بلندی ملتی ہے - وہ
محبت بنا جس پر انعامات ملتے ہیں وہ
اعتماد بنا جس پر مدد کے دروازے کھلتے
ہیں وہ علم بنا جس علم پر خدا چمکاتا ہے
وہ دھیان بنا جس دھیان پر خدا کامیاب
کرتا ہے تو اگر اندر میں وہ بنا - جس
بہ کے بننے کے لئے خدا نے دنیا
میں بھیجا - اور جہ بننے کے لئے خدا
نے محنت کی دولت عطا
فرمائی تو محنت کر کے اندر میں اگر
وہ بن گیا تو دنیا کے جس علاقے
میں چاہے پھرے - جس ملک میں
جائے اور جس سڑک پر چاہے نکل
جائے اور جس سواری پہ چاہے سوار
ہو جائے - چاہے گدھے پہ سوار ہو کے
نکلے - چاہے موٹر پہ سوار ہو کے نکلے -
چاہے پیدل نکلے - چاہے سواری میں
نکلے چاہے - جھونپڑوں پر لیٹے چاہے
کوٹھیوں میں لیٹے چاہے - چٹنی
روٹی کھاتا ہوا نکلے - لاکھوں کے
کھانے کھاتا ہوا نکلے ، اندر کا بنا
ہوا اگر وہ ہے جس پہ خدا کامیاب
کیا کرتے ہیں اور جو قیمتی ہے تو
پھر جس لائن کو نکلو گے جس شکل
سے گزرو گے کامیاب ہو جاؤ گے
اور اگر خدا نخواستہ وہ بن گیا ، جو
بے قیمت ہے وہ یقین بنا جس
پر خدا پکڑ کرتے ہیں وہ محبت بنا
جس پر خدا مصیبتیں ڈالتے ہیں اور
وہ اعتماد بنا جس پہ خدا زندگی بگاڑتے
ہیں - اور وہ علم بنا جس کو خدا
جہل قرار دیتے ہیں وہ دھیان بنا
جسکو اللہ غفلت کہتے ہیں - تو اگر
اندر میں وہ بنا جس کے بننے پر
خدا ناکام کیا کرتے ہیں تو دنیا میں
انسان جہاں کو بھی نکلے گا - چاہے
سواریوں پر نکلے چاہے کاروں میں
نکلے چاہے ہوائی جہازوں میں نکلے
ذلیل ہو گا - خوفزدہ ہو گا - غیر مطمئن
ہو گا - پریشان حال ہو گا - دنیا میں
چاہے - جن شکلوں میں کوئی نکلے ،
کامیابی نصیب نہیں ہو گی - شکلیں
بنی ہوئی مل جائیں گی - لیکن عزت
نہیں ملے گی اور جب مرے گا تو
اندر کا بنا خدا ہر ایک کو دکھائیں
گے - کہ تیرے میں کیا بنا -

وَحُصِّلَ مَا فِي الصُّدُورِ ۔

اندر کا بنا ہوا دکھا دیں گے
صاحبزادے! یہ یقین بنا کے لائے
ہو - یہ تو دوزخ والا یقین ہے جنت
میں نہیں لے جاتا یہ ، یہ محبت تو
دوزخ میں لے جاتی ہے یہ تو دنیا
کی محبت ہے - یہ تو دوزخ میں لے
جاتی ہے - یہ نہیں لے جاتی جنت
میں - کہاں ہے وہ اللہ کی محبت وہ
کون سے کونے میں رکھی ہے - لاؤ
لا کر دکھاؤ ، لاؤ وہ رسول اللہ کی
محبت نکال کر دکھاؤ - وہ محبت جس
پر آدمی جان و مال ماں باپ اولاد
تک قربان کر دے - کہاں ہے وہ
محبت ؟ یہ دل میں دکھاؤ کہ محبت
کی جگہ دل ہے - زبان محبت کی
جگہ نہیں - زبان محبت کی جگہ ہے ہی
نہیں - یہ جو زبان پر ہے - اس کو
رسول اللہ کی محبت کا اظہار کہتے ہیں
اور اظہار کی جگہ زبان ہے - محبت کی
جگہ زبان نہیں اظہار کی جگہ زبان ہے -
ایمان کی جگہ زبان نہیں ہے - زبان اظہار
کی جگہ ہے - ایمان کو ظاہر کرتی ہے ،
یہ زبان ایمان کی جگہ نہیں ہے - ایمان کی
جگہ تو دل ہے - محبت کی جگہ تو دل ہے
اعتماد کی جگہ تو دل ہے - زبان خائن بنتی
ہے اور ایسی منافق ہے یہ زبان کہ جو
دل میں ہو اسے بھی بول پڑے اور اس
کے خلاف بھی بول پڑے - کوئی آدمی
آیا ، اب آپ کو بہت غصہ آیا ، کہ
بے موقع آ گیا - روٹی کھا کے سوتے
ہیں تو بیگم کو بلا رکھا ہے - اس وقت
اور بے موقع آ کے بیٹھ گیا اور خوب
طبیعت میں ناگواری ہے - اور زبان
سے کیا کہہ رہے ہیں - آپ کے
آنے سے بڑی مسرت ہوئی ، تو زبان
نے وہ نہیں بولا جو دل میں ہے
اس کے خلاف بولا - تو زبان وہ
بھی بولتی ہے جو دل میں ہے اور
زبان وہ بھی بولتی ہے - جو دل میں
نہیں ہے - انسان زبان سے دھوکہ کھا
جاتا ہے - کل کو قیامت میں زبان
سے وہی نکلے گا - جو دل میں ہے
اور زبان وہ بھی بولتی ہے جو دل
میں نہیں ہو گا - وہ زبان پر نہیں
آئے گا -

اسی واسطے لکھا ہے علمائے محققین
اور مفسرین حضرات نے کہ یہاں دنیا
میں کوئی کتنا ہی قرآن حفظ کر لے
اور سارا پڑھ لے - اور ایسا یاد ہو
کہ بے جھجکے بے اٹکے سارا قرآن
پڑھ جاوے - لیکن کل کو قیامت میں
جب قرآن پڑھنے کا وقت آئے گا کہ
پڑھ اور جنت کے درجوں پر چڑھ ،
چڑھتا چلا جا بڑھتا چلا جا ، تو اس طرح
فرمایا کہ جتنا قرآن پر عمل ہو گا -
زبان پر اتنا ہی آئے گا - عمل میں
نہیں ہو گا تو قرآن پڑھا نہیں جائے
گا - دنیا والی بات نہیں ہے - عمل
کچھ اور قرآن پڑھ رہے ہیں - دل
میں کچھ اور زبان پر بول رہے ہیں
وہاں تو جو عمل ہو گا - وہ زبان بولے
گی جو یقین ہو گا - وہ زبان بولے
گی -

اس لئے میرے عزیزو اور دوستو! اللہ ربّ العزت نے محنت کی دولت عطا فرمائی اور مسجد کے اندر آواز لگوائی کہ دیکھو اپنے اپنے نقشوں سے نکل کر آؤ وقت تمہارے پاس موجود ہے آنکھ کھل جائے گی تو وقت جاتا رہے گا - محنت کرنے کا اس وقت اگر محنت کر لی تو تم اندر کی بنیادوں کو ٹھیک کر لو گے - اب اگر تم نے وقت پر محنت خرچ نہ کی تو موت کے وقت یہ حرکت ختم ہو جائے گی - مرنے کے بعد یہ ختم ہو جائے گی قرآن میں ہے وہ یوں کہیں گے کہ اللہ ہم نے دیکھ لیا -

رَبَّنَا اَبْصَرْنَا وَسَمِعْنَا فَارْجِعْنَا نَعْمَلْ صَالِحًا اِنَّا مُوْقِنُوْنَ ہ

ترجمہ - اے رب دیکھ لیا سن لیا رب ہماری سمجھ میں آ گیا) اب آپ دنیا میں واپس بھیجیے ہم اچھے عمل کر کے ، آئیں گے -

تو گویا آخرت عمل کرنے کی جگہ نہیں ، عمل کی جگہ نہیں ہے آخرت جیسے یہ ماں کا پیٹ یہ کمائی کی جگہ نہیں ، کمانے کی جگہ دنیا ہے - ماں کا پیٹ ہے ہی نہیں کمانے کی ، کھانے کی ، حلووں کی جگہ اور گلاب جامن کی جگہ اور چائے پینے کی جگہ وہ ہے ہی نہیں - تو عمل پر محنت کا میدان یہ دنیا ہے اب اگر آدمی مر جائے گا تو آخرت میں عمل کا میدان نہیں رہے گا - محنت کا میدان ختم ہو جائے گا - آج جیسے بنیں گے ویسا درجہ قائم ہو جائے گا - خراب بن گئے تو دوزخ ، اچھے بن گئے تو جنت - جس شکل کے اچھے بنے اس شکل کی جنت ملے گی - اب اس کے لئے مسجدیں بنیں اور آواز لگائی گئی کہ دیکھو یہ چیزیں تم نے اپنے میں پیدا کرنی ہیں - اگر تم اپنے کو قیمتی بنانا چاہتے ہو اگر کامیاب بنانا چاہتے ہو - تو تمہیں اپنے اندر یہ چیزیں اتارنی ہیں - دل میں اتارو زبان سے جو بولو - اس کے خلاف مت کرو - اپنی اپنی زبانوں سے دھوکے مت کھاؤ - تمہارے دل میں ان چیزوں کو دیکھا جائے گا کہ تم میں یہ ہیں یا نہیں ، سب سے پہلی بات ! اللہ اکبر! زمین ، آسمان ہوا ، پانی ، آگ ، پہاڑ جتنی چھوٹی بڑی شکلیں ہیں - ان سب سے اللہ بہت بڑے ہیں - وہ ہوا جس کو خدا اگر مشرق سے مغرب تک ایک دن کے لئے تیز چلا دیں ، یا آدھے دن کے لئے تو موسیٰ وعیسیٰ کے ہاتھوں جتنی ایجادات ہیں اور ان کے پیچھے چلنے والے جتنی شکلیں لئے بیٹھے ہیں - وہ روئے زمین سے آدھے دن میں صاف ہو جائیں اگر عاد جیسی ہوا چلا دیں سب فنا ہو جائیں - اللہ اس ہوا سے بہت بڑا ہے - تمہارے ہاتھوں کی شکلیں تو ہوا کے سامنے کچھ نہیں اور ہوا اللہ کے سامنے کچھ نہیں - یہ آگ اگر مشرق سے مغرب تک لگا دی جائے - جتنی اس میں شکلیں بنی ہوئی ہیں ایک دن کی تاب نہ لا سکیں - اور یہ ساری راکھ ہو جائیں جل کر اور ساری خاک ہو جائیں - اگر مشرق سے مغرب تک پوری دنیا میں آگ لگا دے خدا - تمہارے ہاتھوں کا بنا ہوا اس آگ کے سامنے کچھ نہیں - جو خدا کی کائنات کے خزانوں میں آگ ہے یہ ساری آگ اس آگ کے سامنے کچھ نہیں اللہ بہت بڑا ہے - یہ پوری زمین اگر اسے ہلا دیا جائے - اور جامنوں کی طرح جس طرح جامنوں کو نرم کرنے کے لئے شاخوں کو ہلاتے ہیں - اگر خدا چند منٹوں کے لئے اسے ہلا دیں تو تمہارے ہاتھوں سے جو کچھ بنا ہوا ہے - وہ سارا زمین کے اندر مل کر ختم ہو جائے گا - یہ زمین اور تمہارے ہاتھوں سے جو کچھ اس پر بنا ہے - اللہ کے سامنے کچھ بھی نہیں - اللہ بہت بڑا ہے - اگر یہ سارا کائناتی خزانوں میں جس قدر پانی ہے - اس کو پوری دنیا میں بھر دیا جائے - طوفانِ نوح کی طرح تو یہ انسانوں کے ہاتھوں کا جس قدر بنا ہوا ہے ایک دن کی تاب نہیں لا سکتا ، سارا ٹوٹ کے ختم ہو جائے گا - تمہارے ہاتھوں کا بنا ہوا پانی کے سامنے کچھ نہیں اور پانی خدا کے سامنے کچھ نہیں اللہ اکبر - اللہ بہت بڑا ہے اللہ بہت بڑے ہیں - اللہ کی بڑائی کی تحقیق کرو قرآن سے - اللہ کی بڑائی کی تحقیق کرو حدیثوں سے اللہ جیسے بڑے ہیں - ویسی بڑائی دل میں اتارو یقین ایسا پیدا کرو - جتنے وہ بڑے ہیں - جیسا وہ پیدا کرنے میں بڑے ہیں - جیسا وہ دینے میں بڑے ہیں جیسا وہ پالنے میں بڑے ہیں - جیسا وہ حفاظت کرنے میں بڑے ہیں - جیسا وہ پکڑنے میں بڑے ہیں - جیسا وہ ذلیل کرنے میں بڑے ہیں جیسا وہ بڑے ہیں - ان کی بڑائی کو تم خالی اللہ اکبر کہہ کر نہیں جانو گے - تم ان کی بڑائی کا قرآن سنو - بیٹھ کر - ان کی بڑائی کی حدیثیں سنو بیٹھ کر - دو کی بڑائی دل میں جمع نہیں ہو سکتی - خداوند قدوس اپنی بڑائی کو اس وقت تک نہیں مانیں گے - جب تک کہ ان کے دل سے بڑائی نکل کر باہر نہیں آ جاتی - خدا کی بڑائی کو بول بول کر سن سن کر اپنے دلوں میں اتار لو - اور ملک و مال اور زمین و آسمان اور راکٹ و ایٹمیات اور دنیا بھر کے کارخانے اور ملیں اور دنیا بھر کا سونا اور چاندی اور دنیا بھر کا لوہا اور پیتل ان سب کی بڑائی دل سے نکال دو مرنے سے پہلے پہلے اور مرنے سے پہلے پہلے دل میں خدا کی بڑائی اتار لو - اگر غیروں کی بڑائی کو لے کر مرے تو رو سیاہ اٹھو گے اور وہ پٹائی ہو گی کہ الامان الحفیظ - ان کی بڑائی کو دلوں میں یوں جماؤ کہ جتنا کچھ آسمان اور زمین میں ہے یہ کچھ نہیں ہے - اللہ معبود ہے - اللہ مقصود ہے - اللہ مطلوب ہے - اللہ عزت دینے والے ہیں اللہ غیروں کے بغیر جو جی میں آئے اپنی قدرت سے کر دیں اور غیروں سے خدا کے بغیر کچھ نہیں ہو گا - غیروں سے نہ ہونے کو دل میں اتار لو ، زمین سے آسمان ، مشرق تا مغرب اپنی محنت کا یقین نکال کر کہ ہماری

محنت سے کچھ نہیں ہو گا - خدا کے بغیر - خدا سے تمہاری محنت کے بغیر سب کچھ ہوتا ہے - دنیا کی چیزوں سے کچھ نہیں ہوتا خدا کے بغیر - اور خدا سے دنیا کی چیزوں کے بغیر سب کچھ ہوتا ہے - اللہ کو کسی اور کی ضرورت نہیں وہ جو کچھ کرتا ہے اپنی قدرت کے ساتھ کرتا ہے - اور جتنی اس میں شکلیں ہم نے بنا رکھی ہیں وہ ساری شکلیں خدا کی محتاج ہیں اس یقین کو دل میں بٹھا لو -

اب ان دو اعتبار سے سارے انسان اندھے، جتنے انسان دنیا میں ہیں - خواہ وہ حاکم ہوں یا محکوم، مالدار ہوں یا غریب ہوں - مولانا صاحب ہوں جو بھی ہوں ان دو باتوں کے اعتبار سے اندھے ہیں ایک انہیں خدا کی ذات ان کی بڑائی اپنے آپ نظر نہیں آتی - ایک انہیں غیر سے نہ ہونا اور خدا سے ہونا، دکھائی نہیں دیتا - انسان خدا کی ذات کے اعتبار سے اندھے ہیں - بڑائی کے اعتبار سے بھی اندھا اور خدا کی ذات کے ہونے کو دیکھنے کے اعتبار سے بھی اندھا وہ بینا ہے - زمینوں کو دیکھنے کے اعتبار سے پہاڑوں کے اعتبار سے لوہے پیتل کے اعتبار سے یہ بینا ہے - مخلوقات کے اعتبار سے یہ نابینا ہے - خالق کے اعتبار سے - ذاتِ باری تعالےٰ کے اعتبار سے نابینا ہے یہ -

اب اگر اللہ کی بڑائی دل میں اتارنی ہے اور اللہ سے اپنی زندگیوں کو بنوانا ہے تو ہمیں جب اللہ دکھائی نہیں دیتے تو اللہ کے اعتبار سے ہم استعمال خود کیسے ہو سکتے ہیں - جو چیز دکھائی دیتی ہے - اس کے اعتبار سے ہم استعمال خود ہو جائیں گے جو دکھائی دے گا وہ اپنے لئے طریقہ استعمال خود تجویز کرے گا جو چیز دکھائی دے گی وہ طریقہ استعمال خود تجویز کر لے گی - خود مال دکھائی دے رہا ہے - طریقہ استعمال آپ تجویز کر لیں گے - لیکن وہ خدا جو سب سے بڑا ہے اور اس کے علاوہ سب چھوٹے ہیں - اسی سے سب کچھ ہوتا ہے - اس کے غیر سے کچھ ہوتا ہی نہیں اب وہ آپ کو دکھائی نہیں دے رہا - تو صاحب بتائیے ! آپ اس کے اعتبار سے اس کی عظمت کے اعتبار سے، اور اس سے فائدہ حاصل کرنے کے اعتبار سے آپ کیا طریقہ استعمال تجویز کرتے ہیں -

اب کیا کرنا ہو گا - اندھے کے چلنے کی ترکیب یہ ہے کہ بینا کی آواز کی حرکت کرنے والا بن جائے یہ ہے اندھے کی کامیابی کا راز - اگر اندھا اندھے پن سے چل دے یا موٹر سے ٹکر کھا کر مرے گا یا کھمبے سے سر پھوٹے گا یا سانپ کو ہاتھ لگا دے گا - وہ کاٹے گا - یا بھوکا مرے گا یا پیاسا مرے گا - یا تریاق کی جگہ زہر کھا جائے گا مر جائے گا - ٹٹولتا پھرے گا - چیزیں کھانے کو ہیں - لیکن ادھر ادھر سے گزر جائے گا - ہاتھ لگا کر تو نابینا اپنی زندگی کے مسئلوں کا حل اپنی حالتوں کا حل نابینا اپنے اندھے پن سے نہیں کر سکتا، اسے بینا کی ضرورت ہے تو آواز لگائی جا رہی ہے کہ ساری دنیا کے انسان نابینا ہیں - اور وہ جو بینا ہیں وہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں - خدا نے انہیں آسمانوں پر بلایا - خدا نے اپنی ذات کو انہیں دکھایا - خدا نے اپنی جنت دوزخ انہیں دکھلائی - خدا نے اچھے برے عملوں کا نفع نقصان انہیں دکھلایا - خدا نے سود پر زندگی کس طرح بگڑتی ہے - محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی آنکھ سے دکھایا بلی کو بھوکا مارنے سے اور اسے باندھ کر رکھنے سے زندگی کس طرح بگڑتی ہے آنکھ سے دکھلایا تو اللہ رب العزت نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو بینا بنایا ہے - خدا کی ذات کو دیکھا خدا کی جنت دوزخ کو دیکھا - خدا کے بنائے ہوئے اچھے برے نقشوں کو اپنی آنکھ سے دیکھا، ان وجوہات کے اعتبار سے سارے انسان اندھے ہیں - اب یہ آواز لگائی جا رہی ہے کہ اگر زندگی بنانی ہے کامیاب اور اندر بنیادیں کامیابی کی بنانی ہیں تو دو تین چیزیں محنت کر کے بناؤ -

خدا کی بڑائی کو دل میں اتار لو - خدا سے ہونا غیر سے نہ ہونا دل میں اتار لو - غیر کا چھوٹا ہونا اور خدا کا بڑا ہونا دل میں اتار لو - اور سب کا اندھا ہونا اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا بینا ہونا دل میں اتار لو اور اس کے بعد سب مشق کرو اس بات کی کہ بینا کی آواز پر استعمال ہونا آ جاوے - پہلے طریقہ استعمال سیکھو - تجارت بعد میں کیجیو - پہلے بینا کی آواز پر تجارت میں استعمال ہونا سیکھو - گھر کی زندگی بعد میں بنائیو پہلے بینا کی آواز پر گھر کی زندگی میں استعمال ہونا سیکھو - پیسے خرچ بعد میں کیجیو - مکان بعد میں بنائیو - سارے کام بعد میں کیجیو پہلے تو بینا کی آواز پر حرکت کرنا سیکھو - ان کی آواز پر کھڑا ہونا - ان کی آواز پر بیٹھنا - ان کی آواز پر بولنا ان کی آواز پر سننا - ان کی آواز پر دیکھنا - جس طرح وہ کہے اس طرح جھک جاؤ - جو بولنے کو کہے بولو - جہاں دیکھنے کو کہے دیکھو - کھڑے ہونے میں جہاں دیکھنے کو کہا وہاں دیکھو - بیٹھنے میں جہاں دیکھنے کو کہا - وہاں دیکھو یہاں تک کہ یہ دل میں یقین پیدا کر لو کہ میں تو اندھا ہوں - مجھے تو اپنی کامیابی کا راستہ دکھائی نہیں دیتا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو خدا نے بینا بنایا ہے وہ جس طرح کہہ گئے اس طرح اٹھنے بیٹھنے میں اس طرح چلنے پھرنے میں اس طرح دیکھنے سننے میں اس طرح لینے دینے میں اس طرح پکڑنے چھوڑنے میں میری کامیابی ہے اور یہ جو ملک و مال میں مجھے کامیابیاں دکھائی دے رہی ہیں یہ میرا اندھا پن ہے - مجھے غلط دکھائی دے رہا ہے - ایک آدمی کمزور نگاہ کا باہر سے آ رہا - وہ یوں کہے میاں یہ مسجد ہل رہی ہے کیا ؟ دوسرے کہیں یہ مسجد نہیں ہل رہی. آپ ہل رہے ہیں - کیوں بھئی ! یہ ایک کے دو کیسے نظر آ رہے ہیں ایک مینار کے دو مینار کیسے ہو گئے آج ؟ لوگ کہیں دوسرا مینار نہیں بنوایا - آپ کی آنکھ میں خرابی ہے آپ میں اندھا پن آ گیا - اب یہ

مسجد اس لئے بنی کہ اس کے حساب میں وقت نکالا جاوے - خالی اللہ اکبر چاہے تم ساری عمر کہو - اللہ کی بڑائی دل میں تب بیٹھے گی - جب اس کا قرآن سنو گے - سب سے پہلا قرآن اللہ اکبر کا آیا ہے - سب سے پہلا قرآن اشہد ان لا الہ الا اللہ کا آیا ہے - سب سے پہلا قرآن محمد رسول اللہ کا آیا ہے - سب سے پہلا قرآن ان باتوں کا قرآن پہلے آیا ہے - پہلے محنت کر کر کے قرآن سن سن کر حدیثیں سن سن کر اللہ کی بڑائی کو جان جاؤ - ایک بڑائی وہ ہے - جس کو جانتے ہو - سب سے بڑا بلیا - سب سے بڑا پتھر سب سے بڑی کوٹھی - اس قسم کے اکبر بہت بولے جائیں دنیا میں اور اکبر کو دیکھ کے بول رہے ہو - دیکھ جان کے سمجھ کے بول رہے ہو - اور ایک اکبر کو بغیر دیکھے بغیر جانے بغیر سمجھے بول رہے ہو - جیسے بہت بڑا ڈاکٹر جس طرح کہے اس طرح کر لو - بہت بڑا ڈاکٹر اس نے کہا کہ دیکھو فلانی چیز مت کھائیو - فلانی مت کھائیو - فلانی مت کھائیو - اور یہ کھائیو - یہ کھائیو - یہ کھائیو وہ مت پیجیو - یہ پیجیو اب سب کیونکہ بہت بڑے ڈاکٹر صاحب ہیں - انہوں نے یہ پرہیز بتلایا ہے اس کے کہنے پر چل رہے ہیں اور اللہ کو بھی بہت بڑا کہہ رہا ہے - رات دن انہوں نے کہا کہ سود مت کھائیو نہیں تو مصیبت میں آ جاؤ گے - جھوٹ بول کے مت کھائیو - رشوت سے مت کھائیو - کسی کا دبا کے مت کھائیو - وہ بھی اس کو بھی کہتے ہیں - اکبر، اور وہ بھی کہتا ہے کہ یہ کھاؤ گے تو نقصان ہو گا - یہ کھاؤ گے تو فائدہ ہو گا - لیکن مجال ہے کہ اس کے منع کئے ہوئے کو چھوڑ دیں اور اس کے بتلائے ہوئے کو پکڑ لیں ہے کوئی دنیا میں - آج ہے کوئی مسلمان ایسا کرنے والا - بہت بڑا ڈاکٹر جانتا ہے - بہت بڑا وزیر جانتا ہے - بہت بڑا سائنسدان جانتا ہے - بہت بڑی بندوق جانتا ہے - یہ ہر ایک کی جنس کی بہت بڑے کو جانتا ہے لیکن خدا کو جو بہت بڑا کہتا ہے - اس کو بیوقوف جانتا ہی نہیں - اس لئے کہ اس نے اس کی بڑائی کو دل میں اتارنے کے لئے کوئی محنت کی ہی نہیں - ان کی بڑائی پہ محنت کی ہے - ان کے پاس گیا ہے ان کے پاس اٹھا بیٹھا ہے - اُن کی لائن کی کتابیں پڑھی ہیں - اُن کی لائن کی چیزوں کو معلوم کیا ہے - لیکن اللہ کی لائن کی چیزوں پر کتنی محنت کی - یقین بنانے میں کتنے ہاتھ پیر مارے - ان کی بڑائی کو دل میں اتارنے خدا کی معلومات کو معلوم کرنے میں کتنا وقت صرف کیا - کتنا اس کو زندگی میں بولا - کتنا اس کی بڑائی کو سمجھا - غیروں کی تردید اپنی زندگی میں کتنی کی نبیوں کی زندگی اس طرح گزری کہ غیروں کی بڑائی کی تردید کرتے ہیں - ان کی تو زندگیاں گزری ہیں - اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی بھی زندگی اسی میں گزر گئی - لیکن یہاں اس چھوٹی زبان سے ایک لفظ تردید میں ان چیزوں کے لئے نہیں نکلتا کہ ان سے کچھ نہیں ہوتا - خدا سے سب کچھ ہوتا ہے - یہ کچھ بھی نہیں اللہ سب کچھ ہیں تو ہماری زبانیں گونگی ہیں اللہ اکبر کے اعتبار سے بولنے سے ہماری زبانیں گونگی ہیں - لا الہ الا اللہ کے اعتبار سے بولنے سے ہمارے کان بہرے ہیں - اللہ اکبر کے اعتبار سے سننے سے اس لئے اندھے جو ہیں پورے بن چکے ہیں - یہ مسجد اس لئے بنی تھی - اس مسجد کی ترتیب قائم کرو - یہ ساری چیزیں دل میں اتریں گی - جان کی محنت سے اس لئے اس بات کی دعوت دی گئی - یہ دعوت جو میں کہہ رہا ہوں - خدا کی بڑائی کی دعوت اللہ سے ہونے غیر سے نہ ہونے کی دعوت - حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک بات پر ہونے کی دعوت کہ جو انہوں نے فرمایا اگر اس کو توڑیں گے تو ناکامی ہو گی - اگر اس کو کریں گے تو کامیابی ہو گی - اور اس کی دعوت دی جائے گی - کہ ملک و مال کے نقشے سے کچھ نہیں ہو گا یہ سب دھوکا ہے اور جب مرو گے تو دھوکا کھل جائے گا - اس سے کچھ ہوتا ہی نہیں - ایک زلزلہ آتا ہے کسی علاقے میں - دھوکا کھل جاتا ہے - ساری چیزیں ٹوٹ کے گر پڑتی ہیں - کسی علاقے میں سیلاب آتا ہے - دھوکا کھل جاتا ہے - ساری چیزیں ٹوٹ کے گر پڑتی ہیں یہ تو تمہارا دھوکا ہے کہ ان چیزوں کے اندر کامیابی ہے کامیابی اس میں نہیں ہے کامیابی اس میں ہے

حَیَّ عَلَی الصَّلٰوۃ حَیَّ عَلَی الْفَلَاح ہی کے طریقے پر نماز پڑھنا سیکھ لے اور کامیابی لے لے - بس اس میں ہے کامیابی - کسی کوٹھی میں نہیں کسی مکان میں نہیں کسی کارخانے میں نہیں کان کھول کر سن لے بعد میں جب آنکھ کھلے گی تو پچھتاوے گا - مرنے سے پہلے پہلے اس بات کو دل میں اتار لے کہ حضور کے طریقے میں استعمال ہونے میں کامیابی ہے اور ملک و مال کے چیتھڑوں میں کوئی کامیابی نہیں - اس کو اپنے پہ کھول لے - مرنے سے پہلے پہلے تیرے دل پہ کھل جائے - کیونکہ تیرے مرتے ہی قبر میں جب جائے گا تو پہلا سوال یہ ہو گا کہ بتا تیرا پالنے والا کون ہے - اگر اس پر محنت کی تھی کہ دکان سے پلتا ہوں - اپنی محنت سے پلتا ہوں - پیسے سے پلتا ہوں تو قبر میں یہ نہیں کہہ سکتا کہ میرا رب خدا ہے جو دل میں نہیں تو زبان پہ کیسے آئے - چاہے تو کروڑ مرتبہ روز پڑھ لیا کر - اللہ اکبر اللہ اکبر اور دکان پر یقین جما ہے تو یہ یقین معتبر نہیں ہے - جس کو پالنے والا سمجھا کرتا ہے - اس کے خلاف کوئی نہیں کرتا - کوئی کرتا ہی نہیں اس کے خلاف ہونے کے معنی یہ ہیں کہ ہم نے اس کو زبان سے کہا - جس کی ہمیں معلومات حاصل نہیں ہیں تو پہلا سوال ہو گا - تیرا رب کون ہے - دکان جاتی رہے گی کھیتی جاتی رہے گی - ملک کا نقشہ ہاتھ سے لے لیا جائے گا تو اگر اللہ اکبر تیرے دل میں بیٹھا ہوا نہیں ہے اور یہ ہے کہ میری محنت سے نقشے بنتے ہیں اور نقشوں سے میری زندگی بنتی ہے

تو خدا کی قسم! یہ آدمی قبر میں یہ نہیں کہہ سکتا کہ اللہ میرے رب ہیں۔

دوسرا سوال ہو گا، تیرا دین کیا ہے۔ چلنے کے لئے کیا کیا۔ آخر چلنے کے لئے کیا کیا۔ کوٹھیاں بنوائیں نقشے بنائے۔ آخر کیا کیا چلنے کے لئے کیا کیا اگر محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقہ پر یہ سب کچھ کیا تو چلو کہے گا۔ کہ چلنے کے لئے اسلام پہ چلا ہوں۔ اور اگر یہاں نقشوں ہی میں چلنا دکھائی دیتا رہا۔ تو کوئی آدمی قبر میں یہ نہیں کہہ سکتا کہ میرے چلنے کا طریقہ اسلام ہے۔ پھر یہ پوچھیں گے کہ اس آدمی کو کیا کہتا ہے۔ جس نے کمانے میں یہ نہ کہا کہ جس طرح حضور نے فرمایا۔ اس طرح کماؤں گا اور شادی کرنے میں یہ نہ کہا۔ جس طرح حضور نے شادی کو بتلایا۔ اس طرح کروں گا۔ زندگی میں کہیں سرمایہ داروں کو بولتا۔ کہیں حاکموں کو بولتا تھا۔ کہیں یورپ کو بولتا تھا۔ کہیں ایشیا کو بولتا تھا۔ کہیں نصاریٰ کو بولتا تھا۔ کہیں یہود کو بولتا تھا مکان ایسا بنائیں گے کپڑے ایسے بنائیں گے۔ فلانی چیز ایسے بنائیں گے۔ حضور کا نام زندگی کے کسی مرحلے میں آیا ہی نہیں۔ شادی کی تو غیروں کے نام پر۔ غیروں کے طریقے کیا ہیں۔ مکان بنایا تو غیروں کے نام پر۔ فلانی جیسی کوٹھی بنائیں گے۔ فلانی جیسی موٹر خریدیں گے۔ کہیں چھوٹی زبان سے زندگی کے شعبوں میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا نام نہ آیا۔ وہ کہیں گے کیا کہتا ہے اس آدمی کو۔ وہ کہے گا میں نہیں جانتا کس کو پوچھتے ہو؟ بھئی میرے تو بہت سے ہیں۔ کوئی کوٹھی میں میرا مقتدا ہے۔ کوئی لباس میں میرا مقتدا ہے۔ کوئی غذاؤں میں میرا مقتدا ہے۔ کوئی کامیابی میں میرا مقتدا ہے۔ میں تو ہزاروں کے پیچھے چلا ہوں۔ ایک ہو تو بتاؤں تم بتاؤ تم کون سے کو پوچھو میں تو سمجھا نہیں۔ ایک آواز آوے گی۔ جھوٹا ہے کمبخت! اس کے لئے آگ کے بستر بچھا دو اور دوزخ کی کھڑکی کھول دو۔ اور آگ کے کپڑے پہنا دو۔ بس یہی تین سوال ہیں میرے عزیز!

ان تین چیزوں کے لئے ان تین پر محنت کرنی پڑتی ہے۔ وہ یہ ہیں خدا پالنے والا ہے۔ حضور کے طریقے پر محنت کرنے سے خدا پالتا ہے۔

حضورؐ کا طریقہ یہ زبان پر چڑھ جائے، اور خدا پالنے والا ہے۔ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقے پر محنت کر کے ہاتھ اٹھائیں گے۔ خدا پالے گا۔ بس پہلے نماز پر محنت کر لو۔ حضور کے طریقے پر نماز پڑھنی سیکھ جاؤ۔ اس کی دعوت دو۔ اس کے علم کے حلقوں میں فضائل کے مذاکروں میں مسائل کے سیکھنے سکھانے میں۔ دعاؤں میں قرآن میں ذکر میں تلاوت میں اور نمازوں میں۔ یہی ہمارا گھر میں محنت کا میدان ہے۔ یہی ہمارا بازار کا نعرہ ہے۔ یہی ہمارا کوٹھیوں کا نعرہ ہے۔ یہی ہمارا حاکموں کے پاس جانے کا نعرہ ہے۔ کامیابی کے لئے نماز ہے۔ محمد صلی اللہ علیہ وسلم جیسی نماز بناؤ تو خدا کامیابی کے دروازے کھولے گا۔ پانچ باتوں پر نماز لے آؤ۔ نماز مقبول ہو جائے گی۔ دروازے کھل جائیں گے۔ کلمے والا یقین پر کماؤ کلمے نماز کے فضائل والا شوق۔ مسائل والے طریقے، اخلاص والی نیت ہو جائیگی اللہ والا دھیان ان پانچ چیزوں پر نماز آئے گی۔ نماز مقبول ہو جائے گی۔ انہی پانچ پر کمائی آئے گی تو کمائی حضورؐ والے طریقے پر آ جائے گی۔ کلمے والے یقین پر کماؤ۔ تمہاری شکلوں سے پیسہ نہیں ملتا خدا کے دینے سے ملتا ہے۔ حضورؐ کے طریقے پر آ جاوے گی۔ کلمے والے یقین پر کماؤ تمہاری شکلوں سے نہیں پیسہ ملتا۔ خدا کے دینے سے ملتا ہے۔ حضورؐ کے طریقے پر کماؤ گے۔ خدا تمہیں بہت کچھ دے گا۔ دنیا میں بہت دے گا۔ آخرت میں فضائل کے شوق پر مسائل کے طریقوں پر اللہ کے دھیان پر اور اخلاص والی نیت پر جب کمائی آئے گی ان پر تو تمہاری یہ کمائیاں تمہیں جنت میں پہنچائیں گی گھر کی زندگی ان پانچ پر آئے گی تو گھر کی زندگی تمہیں جنت میں پہونچائے گی۔ اگر تمہاری معاشرت اور آپس کے میل جول ان پانچ پر آئیں گے تو تمہیں جنت میں پہونچائیں گے۔ یہ پانچ چیزیں اپنے میں پیدا کرنا۔ اور ان کے لئے وقت نکالنا اور اس کی محنت کا میدان قائم کرنا۔ اس کی دعوت دینا۔ اس کا ماحول بنانا۔ اس کے لئے پھرنا اور پھرانا اس کے لئے مسجدوں میں اکٹھا کرنا اور ہونا بس ایک چیز ہے کہ جو اپنا حصہ اس محنت میں ڈالے گا۔ اللہ کی ذات سے توقع ہے کہ خدا کی بڑائی اس کے بولنے میں آئے گی۔ سننے میں آئے گی۔ تعلیم کے حلقے چل جائیں گے کلمے نماز کے فضائل کھل جائیں گے۔ کلمے نماز کی ترتیب حضورؐ نے اپنے زمانے میں مسجد میں جو چلائی تھی۔ اگر ہم اپنی مسجدوں میں بیٹھ کر ان چیزوں کو چلانے لگیں گے اور نماز کے باہر جس قدر ہمارے شعبے ہیں وہ بھی حضورؐ کے طریقے پر آئیں گے۔ حضور کے طریقے پر آ گئے تو حکومت کر کے بھی جنت میں جائیں گے۔ اگر حضورؐ کے طریقے پر نہ آئے تو محکومیت میں بھی دوزخ میں جائیں گے۔ اگر آپ حضورؐ کے طریقے پر چل پڑے تو مالداری میں بھی جنت میں جائیں گے۔ اگر حضورؐ کے طریقے پر نہ چلے تو فقیری میں بھی دوزخ میں جائیں گے اصل میں کامیابی کی جو گارنٹی ہے وہ تو حضورؐ کے طریقوں میں ہے۔ مسجد میں ماحول بناؤ۔ حضورؐ کے طریقوں کے سیکھنے سکھانے کا اور اس کے اندر کامیابی کے یقین بنانے ہیں۔ مسجد میں ماحول پھر اپنے اپنے شعبوں کو آہستہ آہستہ اس یقین پر لاؤ جتنا اللہ کرے۔ شرح صدر نصیب فرماتے رہیں اور جتنا نماز اور دعاؤں کے ساتھ یقین بڑھتا رہے اتنا ہی اپنے باہر کے شعبوں کو بھی حضورؐ کے طریقے پر لاتے رہو۔ ایک دم سارے طریقے نہیں بدلا کرتے۔ ہاں البتہ محنت ایک دم شروع ہو جایا کرتی ہے۔ آدمی محنت ایک دم شروع کر دیتا ہے۔ کھیتی کی محنت ایک دم شروع کر دیتا ہے۔ لیکن کھیتی ہوتے ہوتے ہوتی ہے۔ کوٹھی بنتی بنتے بنتی ہے بس محنت شروع کر دی جائے۔ اسی لئے تبلیغ میں جو ہیں تھوڑی سی تربیت اپنی محنت کی کرتی ہے۔ کلمے نماز کا مسجد میں ماحول بنانے کی محنت، ایک دفعہ ہمت کر کے تین چلے دے دو۔ سال کا چلہ دیتے رہو۔ مہینے میں تین دن کے لئے نکلتے رہو۔ ہفتے کی دو گشتیں کرتے رہو۔ اپنی مسجد میں تعلیم تسبیح اور نفلوں کا اور ایمان کی دعوت کا ایک ماحول بنا

لو۔ بس اگر اتنا کر لیا سارے مسلمانوں نے ا کر تو حضور کے زمانے کا دین زندہ ہو جائے گا ۔ اور ایک بات خوب سمجھ لو کہ جب ایک دفعہ آنکھ بند ہو گئی تو آنکھ بینا نہیں ہو گی ۔ خواب والی بند ہو گئی ۔ وہ گنے والی کھل گئی ۔ یہ جو تمہاری نظروں کے سامنے ہے ۔ اس کا کوئی اعتبار نہیں جب آنکھ کھلے گی ، پھر کیا ہو گا ۔ تمہارے سامنے یہ ہے اصل ۔ آنکھ کھل جائے گی ۔ اس وقت پچھتاوے گا ۔ اگر اپنی زندگی کے شعبوں میں حضورؐ کے طریقے چل رہے ہیں تو چلو مبارک ہو اور اگر حضورؐ کے طریقے زندگی کے شعبوں میں ٹوٹے ہوئے ہیں تو کمائیاں حرام ہیں جب اس پہ پکڑیں گے تو پھر رونا پڑے گا ۔ اس وقت پتہ چلے گا اور بھائی آؤ اب گھر کی زندگی کی طرف اگر گھر کی زندگی میں حضور کے طریقے ٹوٹے ہوئے ہیں تو اگر ایک بھی حرام کا لقمہ کھلایا ۔ بیوی کو یا اولاد کو تو اس پر پکڑیں گے کہ یہ کیوں کھلایا ۔ اور یہ سؤر کی طرح ہے سؤر پکا پکا کے کھلائیں اپنے بچوں کو ۔ اپنے بیوی بچوں کو سؤر پکا پکا کے کھلا رہے ہو ۔ اور سود جو ہے ۔ وہ سؤر سے زیادہ سخت ہے ۔ علمائے کرام نے لکھا ہے کہ جو بھی شریعت کے خلاف کمانا ہو گا ۔ وہ سود کے حکم میں ہے ۔ اور سود جو سؤر سے زیادہ سخت ہے تو اگر آپ کی گھر والی زندگی سود والے پیسے پر چل رہی ہے اور آپ کی کمائی حضورؐ کے طریقے سے ہٹ کر چل رہی ہے تو میاں پھر ایک منٹ کی گنجائش نہیں تاخیر کی کہ اس سے توبہ کی جائے ۔ ایک منٹ کی گنجائش نہیں ۔ تاخیر کی پھر تو باہر نکلو یقینوں کو ٹھیک کرو ۔ اور اپنی کمائی کو اپنے گھر کو حضورؐ کے طریقے پر لانا سیکھو ۔ اپنی کمائی کو حضورؐ کے طریقے پر کیسے لاویں ۔ یہود کے طریقوں کو تو ہم لے آئے ۔ نصاریٰ کے طریقوں کو تو ہم لے آئے ۔ مشرکین کے طریقوں کو تو ہم لے آئے ۔ اپنی جان و مال کے خرچ کو ان کے طریقوں پر تو لے آئے ۔ جنہوں نے ہمیں ذبح کیا ۔ ہمارے ٹکڑے کئے اور چودہ سو برس تک ہمیں پیسا ہے اور اب بھی پیس رہے ہیں ۔ اُن کے طریقوں پر تو ہم اپنا سب کچھ لے آئے ہیں بچے انہی کے اچھے لگتے ہیں ۔ حضورؐ کے اور آپ کے صحابہؓ کے بچے اچھے نہیں لگتے ۔ لباس نصاریٰ کا اچھا لگتا ہے ۔ حضورؐ کا اور ان کے صحابہؓ کا لباس اچھا نہیں لگتا ۔ مکان نصاریٰ کے اچھے لگتے ہیں ۔ مکان حضورؐ اور صحابہؓ کے اچھے نہیں لگتے تو زندگیوں کو یہود اور نصاریٰ تک تو پہنچا دیا ہم نے ۔ اب اس تشکیل کو سیکھو کہ کس طرح یہود اور نصاریٰ کے طریقوں سے ہٹ کر حضورؐ اور ان کے صحابہؓ کے طریقوں پر آ جاویں ۔ اب تو حالت یہ ہے کہ بیوی بچے مکان کاروبار اس کے اندر ان کے سامنے یہود ہیں، نصاریٰ ہیں ۔ یہ ان کو دیکھ دیکھ کے چل رہے ہیں ۔ ایک دفعہ بھی آنکھ اٹھا کر نہیں دیکھتے کہ حضور کا مکان کیسا تھا ۔ جب یہ کپڑا بناتے ہیں ۔ ایک دن یہ تصوّر میں نہیں آتا کہ اپنے بچوں کے کپڑے ایسے بنا لو جیسے حضور کے تھے ۔ یہ شادی کرتے ہیں ۔ کبھی تصور میں نہیں آتا ۔ حضورؐ نے دس بیاہ کئے ۔ جس طرح حضورؐ نے کیا ہم بھی کر لیں تو آپ تو حضورؐ کو امام بنائیں گے ہی نہیں، آج امام بنا رکھا ہے ۔ یہود کو اس اندھے یہود کو جس نے ہمیں ذبح کیا چودہ سو برس تک وہ امام بن چکے ہیں زندگی میں ۔ تھوڑے سے نمازی! کچھ پڑھ رہے کچھ نہیں پڑھ رہے ۔ تو نمازیوں نے بھی مقتدا بنایا یہود کو اور ان بے نمازیوں نے بھی اپنا مقتدا اور امام بنایا نصاریٰ کو ۔

ذوقِ ابراہیمی نہیں ہے ۔ ذوقِ آذری ہے ۔ ذوقِ موسوی نہیں ہے ذوقِ فرعونی ہے ۔ ذوقِ محمدی نہیں ۔ ذوقِ قارونی ہے ، تو بھئی اگر یہی اچھا لگتا ہے تو مبارک ہے ۔ چلئے آپ مرنے کے بعد دیکھئے گا ۔ کیا ہو گا ۔ اگر یہی اچھا لگتا ہے ۔ اور چلانا اسے ہی ہے ۔ جیسے اب چلا رہے ہیں ۔ یہ ٹھیک ہے تو تین چلے کیا ہم ایک دن بھی نہیں چاہتے ۔ کسی سے ایک دن بھی نہیں اور میاں اگر اس سے مڑنا چاہیے ۔ ہمیں ہم بڑے غلط پھنس گئے اور زندگی میں ہم نے اپنے ہاتھوں سے اپنے پیروں پر کلہاڑیاں ماری ہیں ۔ یہ سب ہم نے خود کیا ہے اور دنیا کے اندر جو ہم مصیبتوں کا شکار اپنے ہاتھوں سے ہوئے ہیں ۔ اب ہم کیسے زندگی کے رخ کو پھیریں تو سب سے پہلے اپنے میں مجاہدے کی عادت ڈالئے ۔ پہلے علم سیکھئے دعوت دینا سیکھئے ۔ تعلیم کے حلقوں میں بیٹھنا سیکھئے تو کم سے کم مسجد والی زندگی کی مشق کیجئے ۔ پھر آؤ اور اسے محلے میں چلاؤ ۔ خاندان میں چلاؤ ۔ رشتے داروں میں چلاؤ ۔ نیت میں رکھو ۔ سب سے منہ موڑنا ہے ان کو سکھانے سیکھتے ۔ پھر کسی کے جی کو لگ گئی تو خاندان بن گیا ۔ خاندان بن جائے گا ۔ سارا اگر کسی ایک کے بھی جی کو لگ گئی ۔ ایک ایک نقشہ بدتر ہے آج عورتیں کہاں تک پہنچ گئیں ۔ عورتیں، یہاں تک پہنچ گئیں کہ کتوں سے زنا کرائیں گی ۔ یورپ کی عیسائی عورتیں کراتی ہیں کتوں سے زنا ۔ اگر یورپ ہی امام بنا رہا تو آدمی اپنی ماؤں سے زنا کرے گا ۔ اپنی بیٹیوں سے زنا کرے گا ۔ یہ زنا کے امام ہیں ۔ وہاں تک پہنچو گے ۔ جہاں یہ پہنچے ہیں ۔ اُف اُف ! یہ خون کی ندیاں بہانے کے امام ہیں ۔ تم بھی وہیں تک پہنچو گے لٹیرے بنو گے ۔ شریف انسان نہیں بن سکتے ۔ شریف کے پیچھے چلو گے شریف بنو گے ۔ اور کمینوں کے پیچھے چلو گے تو کمینے بنو گے ۔ شریفوں کے سردار حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں ۔ وہ جن کے ساتھ شرافتیں جمع ہیں ۔ ساری شرافتیں سارے کمالات ساری خوبیاں ان میں جمع ہیں ۔ ان کے پیچھے چلو ۔ اس کے لئے چاہیئے وقت ، ذوق کی تبدیلی کے لئے چاہیئے وقت ، اور جتنا اس کے لئے محنت کرو گے ۔ ذوق بدلے گا ۔ ہم کماتے رہیں، کماتے رہیں ۔ ایک دم حضورؐ کا ذوق آ جائے یہ ناممکن ہے ۔ ہم مکان بناتے ہیں ۔ کوٹھیاں بناتے ہیں ۔ بلڈنگیں بناتے ہیں ۔ بیاہ شادیاں کرتے ہیں ۔ شاندار چیزیں خریدتے ہیں ۔ اور جو پیسہ ہاتھ میں آوے وہ

هَلْ مِنْ مَزِيد

وہ سارا انہی میں لگاتے رہیں

باقی صفحہ ۵۰ پر

وعظِ بیخودی

عظمت تفہیمی جھنگ صدر

کلمے کی جماعت دیکھنے میں سادہ اور غیر دلچسپ نظر آتی رہی اور میں ہر سال رائے ونڈ چلنے کی دعوت کو مختلف حیلوں بہانوں سے ٹالتا رہا۔ اس سال چودھری صاحب کا اپنے خط میں صرف اتنا لکھ دینا کافی ہو گیا کہ:۔

"رائے ونڈ ضرور پہنچنا۔ انشاء اللہ بہت فائدہ ہو گا۔۔۔۔"

نیم دلی کے ساتھ چلا گیا۔ نیم دلی اس لئے تھی کہ میں ۲۰ سال کے طویل عرصہ تک ایک منظم جماعت کی نقشہ کشی کی سنہری کاپیاں لکھتا، اور پڑھتا رہا تھا۔ جن کے خوبصورت نقشے میرے اعصاب میں پیوست ہو کر رہ گئے تھے اور تبلیغی جماعت میں ان نقشوں کی جھلک مجھے دور دور تک بھی نظر نہیں آتی تھی۔

سفر کا کوئی باقاعدہ منصوبہ اور نقشہ بنائے بغیر ہی بالکل بے خودی کے عالم میں رائے ونڈ کا ارادہ کر لیا۔

۲۱؍ مارچ ۱۹۶۵ء کی صبح کو لاہور کے اسٹیشن پر ایک گاڑی مس ہو گئی تو دوسری پکڑی۔ ساڑھے آٹھ بجے منزل پر پہنچا، کوئی صاحب تقریر فرما رہے تھے۔ پوچھا "کون ہیں؟" بتایا گیا "حضرت جی"۔ پھر دریافت کیا "یعنی"؟ تعجب کے ساتھ جواب ملا "حضرت جی۔ دہلی والے۔ امیر جماعت" آپ نہیں جانتے۔۔۔۔"

کان لگا لئے۔ دل خود لگ۔ چند منٹ کے بعد دل کھنچنے بھی لگا۔ "کیا میں جذب کیا جا رہا ہوں۔؟ کیا میں شکار کیا جا رہا ہوں؟ کیا میں چرایا اور اغوا کیا جا رہا ہوں؟

گھر سے بے نقشہ چل پڑنے پر سارے رستے نادم آ رہا تھا۔ لیکن اب تو وہ ندامت بھی شکست کھاتی دکھائی دے رہی ہے۔ اس لئے کہ یہاں تو برسرِ منبر ہزاروں عاقلوں اور فرزانوں کے سامنے بے نقشہ چل پڑنے ہی کی تلقین ہو رہی ہے اور کوئی بھی اس پر معترض دکھائی نہیں دیتا۔ معترض تو کجا۔ یہاں تو ہر چھوٹی بڑی عقلِ سلیم اعتراض کے بجائے اعتراف ہی کی گردن جھکائے بیٹھی ہے۔ والد صاحب بھی تو عرصہ ۴۰ سال سے کچھ اسی قسم کا وعظ بیخودی فرمایا کرتے ہیں۔ لیکن میرے دل کی گہرائی میں وہ کیوں نہیں اترا۔ آج بعینہٖ وہی باتیں رائے ونڈ کے اجتماع میں سن رہا ہوں تو دل میں اترتی جا رہی ہیں۔ شاید اس لئے کہ وہ گھر کے اندر انفرادی ماحول میں سنی جا رہی تھیں۔ اور اب یہ گھر سے باہر کے اجتماعی ماحول میں سنی جا رہی ہیں۔ اگر یہ بات ہے تو پھر تو تبلیغی جماعت کی ترکِ ماحول والی دعوت بھی کچھ معانی رکھتی ہے"

سوچتا بھی رہا اور سنتا بھی رہا۔ موضوع بدل رہے تھے لیکن محور ایک ہی تھا۔ بے خودی ۔ نقشہ کشی ۔ ترکِ ماحول ۔ اصلاح نفس اور بس اصلاحِ نفس۔

نقشہ کَشی اور نقشہ کُشی

نقشہ کش جماعتوں کے بڑے نتائج ذہن میں بھی موجود تھے اور آنکھوں میں بھی اس لئے نقشہ کُش جماعت کی باتیں دل میں بیٹھ گئیں اور وہ "نہایت اہم" سوالات جنہیں جھنگ سے رائے ونڈ تک ڈیڑھ سو میل کی طویل مسافت میں مرتب اور منظم کر کے لے گیا تھا۔ بادلوں کی طرح چھٹتے گئے اور میرا ضمیر غسلِ صحت حاصل کرتا چلا گیا۔

نقشہ کَشی اور نقشہ کُشی میں بظاہر تو کچھ زیادہ فرق نہیں ہے۔ صرف ایک زَبر کی جگہ ایک پیش ہی تو کرنا ہے۔ لیکن غور کیا جائے تو یہ پیش کر دینا بھی بڑا کٹھن کام ہے۔

ایک دفعہ نقشہ کَشی زَبر (یعنی اوپر) ہو جاتی ہے تو پھر زَبر سے زَبر تر ہی ہوتی چلی جاتی ہے۔ یہاں تک کہ زَبر ہوتے ہوتے بالآخر اَنَا رَبُّکُمُ الۡاَعۡلٰی تک کہلوا کر چھوڑتی ہے۔ خواہ یہ دعویٰ زبان پر چڑھ کر بولے یا دل کی گہرائی میں اتر کر اور چاہے سریرِ مملکت پر متمکن ہو کر بولے یا پھر کسی مسندِ علم و فضل پر۔

لیکن جب اسی نقشہ کشی کے زبر کو پیش کر دیا جاتا ہے۔ اور نقشوں کے اصل مالک کی خدمت میں پیش کر دیا جاتا ہے تو پھر یہ پیش کش اس کے قدرت والے دربار میں قبولیت خاص حاصل کر لیتی ہے اور یہی درحقیقت اعلیٰ ترین مقصد ہے۔ انسان کی ذات و صفات اور کامیاب خلافتِ ارضی کا۔

نقشہ کَشی اور نقشہ کُشی کا یہ نکتہ جونہی میرے ذہن میں ابھرا ہوش و خرد نے اسے دھار دار نشتر سمجھ کر ہاتھ میں لے لیا اور موقع کو غنیمت جان کر دل و دماغ کے ایک ایک فلسفیانہ پھوڑے پر نشتر زنی شروع کر دی۔

حضرت جی گویا تقریر نہیں کر رہے تھے بلکہ پورے مجمع کو اس کے حال پر چھوڑ کر صرف اور صرف میری طرف ہمہ تن متوجہ تھے اور ان کی طویل تقریر کا ایک ایک پہلو میرے ہوش و خرد کو انگلی رکھ رکھ کر بتاتا جا رہا تھا کہ اس کے بعد اس پھوڑے پر نشتر رکھو اور اس اس سمت سے اس میں شگاف دو۔ کامیاب شگاف اور صحت بخش شگاف۔

ایک ہی تقریر نے سیر کر دیا اور میں اپنی زبانِ حال سے وَاللّٰہِ لَا اَزِیۡدُ عَلٰی ھٰذَا وَلَا اَنۡقُصُ کہتا ہوا رائے ونڈ کے روحانی ہسپتال سے ڈسچارج ہو کر اپنے گھر آ گیا

حضرت جی اس دفعہ پاکستان صرف میرے لئے آئے تھے اور مجھے کلمہ سمجھا کر انہیں ہر حال میں اپنے اصلی گھر کی طرف لوٹ جانا تھا۔

مجھے حضرت جی کی وفات کا علم ہوا تو میں نے ایک مرتبہ بھی عام لوگوں کی طرح۔

"آہ حضرت جی"

نہیں کہا۔ بلکہ :۔

واہ حضرت جی

کہا۔ اور آج بھی میں اپنے دائیں بائیں دونوں قلموں سے "آہ" کے بجائے "واہ" ہی لکھنے پر مجبور ہوں اس لئے کہ۔

حضرت جی اپنی زندگی میں کامیاب تشریف لے گئے ہیں اور دوست کی کامیابی پر آہ بھرنا محبت کا تقاضا ہے نہ وفا اور عقلِ سلیم کا۔

حضرت جی نے بھرپور جوانی خرچ کر کے کلمہ کی دعوت کو جوان کیا اور جوانی کی ساری رگوں کا خون "تبلیغ" بلڈ بنک میں منتقل کر کے رخصت ہو گئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

اللہ تعالیٰ کا خاص فضل تھا۔ حضرت جی پر ورنہ میری اِن آنکھوں نے کئی جماعتیں ایسی بھی دیکھی ہیں جن کے امراء نے جوانی میں جماعتیں قائم کیں اور پھر پچپن سالگی میں داخل ہو کر اپنے ہی ہاتھوں سے انہیں دفن بھی کر کے بیٹھ گئے۔

اے اللہ ہر اچھی جماعت کے امیر اور قائد کو اسی طرح جوانی کے ساتھ جلینا۔

باقی صفحہ ۵ پر

سید ذوالفقار حسین بخاری ایم اے اسلامیہ کالج لائل پور

حضرت مولانا محمد یوسف رح

ایک جامع شخصیت

دنیائے اسلام کی دعوت و عزیمت اور علم و عمل کی تاریخ کا جائزہ لیا جائے۔ تو ہماری نظر بہت سی ایسی شخصیات پر پڑے گی۔ جنہیں ہمہ صفت موصوف پائیں گے۔ دور کیوں جائیے خود برصغیر ہند و پاک کی آخری تین صدیوں میں علم و عمل کے ایسے جامع انفاس قدسیہ پیدا ہوئے جن کا جواب عالم اسلام میں ملنا مشکل ہے۔ مولانا محمد یوسف (نور اللہ مرقدہٗ) بھی اسلامی دعوت و عزیمت اور علم و عمل کے محل میں اس شان کے ساتھ داخل ہوئے کہ اپنی بعض خصوصیات کے لحاظ سے بہت بلند اور روشن ہو گئے۔

مولینا کو قریب و دور سے دیکھا، سنا۔ ان کی بے قرار روح اور بے تاب دل کی آتش نوائی سے مُردہ دلوں میں جان آتے دیکھی۔ جمود کو حرکت میں، علم کو عمل میں، ریا کو اخلاص میں، بے فکری کو فکرِ دین و آخرت میں اس قدر جلد ڈھلتے دیکھا کہ عقل اس پر حیران اور قلب اس پر قربان ہو ہو گیا۔ ان کی انمٹ دینی خدمات کو سراہتے ہوئے جب ان کی حیاتِ مستعار کے مختصر لمحات کو بھی دیکھتے ہیں تو ان کی عظمت کا مینار اور بھی روشن ہو جاتا ہے۔ تاریخ اسلام میں ہم جن علمائے کرام اور صلحائے عظام کے کارہائے نمایاں پر سر دھنتے اور ان کی محبت کے گُن گاتے ہیں اگر غور کریں تو ان کا عرصۂ حیات مولانا کی نسبت کافی طویل پائیں گے ۴۸½ سال کی عمر میں مولانا نے جتنے کارنامے سرانجام دئے صاف معلوم ہوتا ہے کہ تائید ایزدی ان کے شامل حال رہی ورنہ اتنی کم عمر میں اتنا کچھ کر لینا بظاہر ایک انسان کے بس کی بات نہیں۔ مولانا کی مختصر زندگی کو دیکھتے ہوئے ہمیں اس بات پر یقین کامل ہو جاتا ہے کہ اہل اللہ کی عمروں میں برکت ہونے کا مفہوم کیا ہوا کرتا ہے۔

مولینا کی شخصیت بڑی گھمبیر اور ہمہ جہت ہے لیکن بعض چیزوں میں وہ سب سے الگ تھلگ اور بہت اونچے نظر آتے ہیں ان کا ما بہ الامتیاز وصف داعی الی اللہ ہونے کا ہے۔ جن لوگوں نے ان کی تقاریر سنیں۔ تحریریات پڑھیں اور مجالس دیکھیں وہ اس بات کی تصدیق کریں گے۔ کہ مولانا جتنے فنا فی الدعوت والتبلیغ تھے اتنی مکمل فنائیت کم از کم اس عہد میں کسی اور کو کم نصیب ہوئی ہو گی۔ ان کا اٹھنا بیٹھنا، چلنا پھرنا، لکھنا پڑھنا کھانا پینا یہاں تک کہ سونا جاگنا سب اسی فکر میں سرشار تھا کہ کسی طرح تمام دنیا کے انسان آقائے نامدار حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی لائی ہوئی معاشرت کو اختیار کرنے والے بن جائیں۔

وہ کس قدر فنا فی التبلیغ تھے۔ یہ بات ہر اس شخص پر واضح ہے جنہوں نے ذرا بھی انہیں قریب سے دیکھا ہے۔ انہوں نے اپنے آپ کو اس دعوت کے عمل میں اتنا فنا اور بے قیمت کر لیا تھا کہ ایک شخص ان کے معمولات کو دیکھ کر ہمیشہ ہی انگشت بدنداں ہو جاتا رہا ہے۔

وہ جب تک بستی حضرت نظام الدین اولیاءؒ دلّی میں رہتے ان کے معمولات عام طور پر اس طرح کے ہوتے۔ ہر روز فجر کے بعد ایک تقریر اشراق کے بعد ناشتے پر پھر گفتگو۔ اس کے بعد جماعتوں کو رخصت کرنا اور مکمل ہدایات دینا۔ یہاں بھی ہلکی سی تقریر کی شکل پیدا ہو جاتی۔ اس کے بعد وہ احباب جو مولانا کو ملنے آتے تھے جب رخصت ہونے لگتے تب بھی مولانا ان سے کچھ دینی باتیں کر لیتے۔ ظہر کے بعد اسباق کا مطالعہ اس کے بعد درس حدیث۔ یہ سلسلہ عصر تک جاری رہتا۔ عصر سے مغرب تک دنیا کے مختلف گوشوں سے آمدہ خطوط کے جوابات لکھوانا، اشارات دینا اور ساتھ ہی مہمان حضرات سے ملنا۔

مغرب کے بعد اوابین کے نوافل پڑھ کر سورۂ یٰسین کے خاتمے پر کبھی کبھار دعاؤں میں شریک ہو جانا۔ عشاء کے بعد سیرت النبیؐ اور سیرت الصحابہؓ میں سے کوئی حصہ پڑھ کر اس کی تشریح کرنا۔ یہ تشریح بھی اکثر اوقات تقریر کا روپ دھار لیتی۔ یہ تو تھے ان کے حضر کے معمولات، جہاں تک ان کے سفر کے معمولات کا تعلق ہے اس کا عالم ہی اور ہے سال میں قریباً ان کے تین چار ماہ سفر میں خرچ ہو جاتے اور جب کبھی حج و عمرہ کو جانا ہوا اس وقت اس سے بھی زیادہ اوقات لگ جاتے حضر کی حالت میں مولانا لکھنے پڑھنے اور پڑھانے میں جو وقت صرف فرماتے اب وہ وقت بھی دعوت و تبلیغ میں خرچ ہوتا۔ میں اس سلسلے میں دو ایک اسفار کا ذکر کروں گا۔ زیادہ تفصیل تحصیل حاصل ہے اس لئے کہ مولانا کا ایک سفر ہوا ہو تو اس کا ذکر کروں۔

جن خوش قسمت انسانوں کو گذشتہ سال (۱۳۸۳ھ) زیارتِ حرمین شریفین (زادھما اللہ شرفاً و تکریماً) نصیب ہوئی انہوں نے مولانا کی سرگرمیوں کو دیکھا ہو گا۔ حج کا سفر ویسے بھی تھکا دینے والا ہوتا ہے۔ پھر مولانا کا دعوت و تبلیغ کی نیت سے حج کرنا تو ظاہر ہے وہاں کیا دوڑ دھوپ نہ ہوئی ہو گی۔ تقریریں کرنا خصوصی اور عمومی دعوتیں رکھنا وغیرہ کوئی معمولی ہمت کا کام نہیں۔ مولانا کی جد و جہد کا نتیجہ تھا کہ چھبیس ۲۶ جماعتیں لمبے عرصے کے لئے دین کی سرسبزی کے لئے تیار ہوئیں۔ اٹھارہ جماعتیں تو بیرونی ممالک فرانس، مغربی جرمنی، انگلستان وغیرہ کے لئے اور آٹھ جماعتیں ممالک عربیہ کے لئے لیکن مولانا جب حجاز مقدس سے کراچی جون کے آخر میں آئے تو ہوائی اڈے سے سیدھے مکّی مسجد پہنچتے ہیں۔ وہاں ۹ بجے سے ۱۱ بجے شب تک تین گھنٹے مسلسل تقریر کرتے ہیں۔ انہوں نے اس بات کی پروا نہ کی کہ وہ اتنے دنوں سے تقریریں کرتے آ رہے ہیں۔ نہ اس بات کا خیال کیا۔ کہ اتنا لمبا سفر کر کے آئے ہیں تھوڑی دیر سستا ہی لیں۔ کراچی کے بعد مولانا بذریعہ ریل گاڑی لائلپور تشریف لاتے ہیں۔ راستے میں اس خیال سے اچھی طرح نیند بھی نہ لے سکے کہ دین پسند طبقہ ہر اہم اسٹیشن پر ان کی زیارت کو آئے گا ایسا نہ ہو کہ وہ آئے اور ملاقات سے محروم ہو جائے شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا صاحب (متع اللہ المسلمین بطول بقائھم) بھی آپ کے رفیق سفر تھے۔ اس لئے لوگوں کا آنا اور بھی یقینی تھا۔ راستے میں جہاں احباب مل جاتے وہاں دعائیں کرتے (مولانا کی دعا بھی ایک چھوٹی سی تقریر ہوا کرتی تھی) جب لائلپور تشریف لائے تو یہاں پہلے اسٹیشن پر دعا ہوئی اس کے بعد مدرسے والی مسجد خالصہ کالج پہنچے یہ ۳۰ جون ۱۹۶۴ء کی بات ہے کراچی سے لائلپور تک کا گرمی میں سفر۔ پھر لائلپور کی گرمی۔ اس پر دن کے دس بجے۔ مگر مولانا مسجد میں اترنے کے تھوڑی ہی دیر بعد باہر تشریف لے

آئے اور فوراً تقریر شروع کر دی وہ پونے گھنٹے تک اس اطمینان و نشاط کے ساتھ بیان کرتے رہے کہ اک ناواقف شخص یہ جان ہی نہیں سکتا تھا کہ مولانا کس قدر تھکے ماندے اور کتنا سفر کرکے آئے ہیں۔ اسی روز عصر کی نماز کے بعد خصوصی اجتماع میں ایک گھنٹے تک تقریر کی۔ مغرب کے نوافل پڑھ کر پھر تقریر کرنے چلے آئے۔ اور دو گھنٹے تک بولتے رہے۔ اسی دوران جب کبھی فرصت ملتی لوگوں کو بیعت بھی کرتے رہے۔ حرمین شریفین اور کراچی میں تقریروں کی وجہ سے مولانا کے گلے میں سوجن سی ہو گئی۔ ڈاکٹروں کی رائے تھی۔ مولانا کا واحد علاج یہی ہے کہ وہ کچھ دنوں کے لئے تقریر کرنا چھوڑ دیں لیکن مولانا لائلپور سے سرگودھا اور وہاں سے راولپنڈی، لاہور رائے ونڈ اور پھر لاہور متواتر تقریریں کرتے رہے۔ اب امسال کے سفر کا حال سنئے:۔

مولانا فروری کے دوسرے ہفتے میں براستہ لاہور ڈھاکہ کے اجتماع میں چلے گئے اس کے بعد مشرقی پاکستان کے اہم مقامات پر مختلف اجتماعات میں تقاریر کیں۔ وہاں سے مغربی پاکستان کے طویل سفر کے لئے آ گئے کراچی۔ میرپور خاص۔ ملتان۔ کنگھن پور (ضلع لاہور) ٹل (کوہاٹ) اور راولپنڈی کے اجتماعوں کے بعد رائے ونڈ کے سالانہ اجتماع میں رونق افروز ہوئے۔ مذکورہ بالا تمام اجتماعات میں ان کی بالعموم دو مستقل تقریریں صبح و شام ہوتیں۔ عصر سے مغرب تک خصوصی مجلس میں بیان ہوتا۔ ناشتے اور کھانے کے وقت بھی گفتگو کا سلسلہ جاری رہتا۔ رائے ونڈ کے اجتماع کے بعد نارووال کے اجتماع میں چلے گئے۔ اندرونی طور پر کچھ تکلیف محسوس کرتے رہے مگر ان کے بے مثل ضبط و تحمل نے اس کو ظاہر نہ ہونے دیا۔ احباب کو وقت آخر جا کر علم ہوا۔ کہ وہ کتنی تکلیف میں مبتلا رہے ہیں اور وہ بھی ان کے بتانے پر بیرونی طور پر ان کو داڑھ کی شکایت ہو گئی۔ وہاں دو دن کے بعد جمعۃ المبارک کی ادائیگی کے لئے گوجرانوالہ رُک گئے۔ اس تکلیف کے باوجود انہوں نے جمعہ سے قبل اور بعد مختصر سی تقریر کی۔ عصر کے قریب لاہور بلال پارک چلے آئے یہ تکلیف دو تین دن تک رہی مگر سوائے اک رات کے بیانات بدستور جاری رہے۔ ہفتہ کی شام کو اسی تکلیف کے باوجود دو گھنٹے تک تقریر فرمائی اور اگلی صبح اتوار کو (۲۸ مارچ ۱۹۶۵ء) جماعتوں کو رخصت کرنے سے پہلے ہدایات سے نوازا۔ پونے دس بجے فارغ ہوئے تو دیکھا کہ مولانا کار میں بیٹھ کر ٹیلی فون کمپاؤنڈ میں چلے گئے وہاں دس بجے عورتوں کا اجتماع تھا اور مولانا کا بیان ہونا تھا۔ یہی حال ہندوستان کے اجتماعات کا ہے۔ فجر اور مغرب کے بعد مستقل تفصیلی بیان (جو بالعموم ۲ سے ۳ گھنٹے تک ہوا کرتا) عصر کے بعد خصوصی مجمع میں بیان (اور یہ بھی اکثر ایک گھنٹے تک ہوا کرتا) ایسا بھی ہوا کہ مولانا فجر کے بعد لمبی تقریر فرما کر آتے اور ناشتہ کرنے لگے ہیں۔ ناشتہ میں شریک بعض لوگ ایسے دکھائی دئے جو دین کے کام کے لئے مفید ثابت ہو سکتے ہیں ان کو تبلیغ کے کام کی اہمیت سمجھانے لگ گئے۔ اتنے میں ہاتھ میں چائے کی پیالی ٹھنڈی ہو جاتی لیکن مولانا اپنی دھن میں لگے ہوئے اسی ٹھنڈی چائے کو منہ میں انڈھیل لیتے۔ احباب کو احساس ہوتا کہ حضرت نے چائے ٹھنڈی ہی پی لی فوراً گرم چائے کی مزید پیالی لے آتے مگر یہاں پھر وہی معاملہ ہوتا تبلیغ میں اسی کامل فنائیت و انہماک کے سبب آج تبلیغ کا کام مختلف ممالک تک پہنچ چکا ہے۔ انہیں اسی فدویت و فنائیت کا یہ صلہ ملا کہ انہیں اللہ کے راستے کی شہادت نصیب ہوئی۔

داعی الی اللہ کی حیثیت سے اُن کی یہ بھی خصوصیت رہی کہ وہ اس تبلیغ کے کام میں لگنے والوں کی تربیت اور مردم سازی کا خاص خیال رکھتے رہے۔ انہیں ہر وقت اس بات کا خیال رہا کہ کہیں مبلغین حضرات کی نیات میں فرق نہ آ جائے۔ تبلیغ کے پردے میں وہ ملک و مال کے چاہنے والے نہ بن جائیں۔ وہ کام کے پھیلاؤ کی وجہ سے عجب میں مبتلا نہ ہو جائیں۔ اس لئے مولانا بڑی حکمت و دل سوزی کے ساتھ ان کی ڈھارس بھی بندھاتے رہتے۔ آگے بڑھنے کی ترغیب بھی دیتے رہتے اور ساتھ ہی ان کی کوتاہیوں کی طرف اشارہ بھی فرماتے رہتے ہم سب جانتے ہیں کہ تبلیغی کام اس وقت ہند و پاک اور نجد و حجاز مقدس کی سرزمین سے نکل کر یورپ، امریکہ، یوگوسلاویہ، افریقہ جاپان اور فلپائن وغیرہ ممالک تک پھیل چکا ہے۔ اس کے علاوہ پاکستان سے ہر سال رمضان المبارک میں حج کی ایک پیدل جماعت ۱½ سال کے لئے روانہ ہوتی ہے۔ راستے میں تبلیغ کا کام کرتی ہوئی مکہ معظمہ پہنچتی ہے لیکن مولانا اللہ رب العزت کا شکر بجا لاتے ہوتے اس بات کے بڑے متفکر رہے کہ کام کے پھیلاؤ کی وجہ سے کام کہیں غلط راہوں پر نہ چل نکلے کسی بے اصولی کا شکار نہ ہو جائے۔

۲۰ ستمبر ۱۹۵۶ء کو راقم الحروف مولانا کی خدمت میں بستی حضرت نظام الدین اولیاءؒ دلی میں بیٹھا ہوا تھا۔ میرٹھ سے ایک جماعت آئی ہوئی تھی ناشتہ ہو رہا تھا اور مولانا فرما رہے تھے۔ "دیکھو تبلیغ میں لاکھوں افراد لگے ہوئے ہیں مگر علیٰ وجہ بصیرت بہت ہی تھوڑے ہیں یعنی یہ سمجھ کر تبلیغ میں لگنا کہ اس کے کرنے سے کیا ہوگا اور اس کے نہ کرنے سے کیا ہوگا۔ اسی طرح مولانا پر تبلیغی کام کی گہرائی سے زیادہ گہرائی کا فکر دامن گیر رہا۔ وہ ہر وقت اس بات کا خطرہ محسوس کرتے رہتے کہ کام کے پھیلاؤ کی وجہ سے گہرائی میں فرق نہ آ جائے۔ ان کی کوشش ہوا کرتی کہ لوگ دین پسندی اور تبلیغی کوشش کی طرف راغب رہیں شخصیت کے جادو کا شکار نہ ہوں۔ چنانچہ میں نے آج تک ان کی کسی تقریر یا خصوصی گفتگو میں اس تبلیغی جد و جہد کے داعی اوّل حضرت مولانا محمد الیاس قدس اللہ سرہٗ کا نام نامی نہیں سنا (حالانکہ محرّک اوّل ہونے کے علاوہ ان کے استاذ محترم مرشد برحق اور والد گرامی منزلت بھی تھے) مجھے یاد ہے مولانا ایک بار رائے ونڈ (پاکستان) کے سالانہ اجتماع میں اس غرض سے تشریف نہ لائے کہ لوگوں کو احساس ہو دین کی گاڑی کے چلنے کا انحصار کسی شخصیت کے ساتھ وابستہ نہیں ہوا کرتا۔ مشرقی پاکستان میں تبلیغی اجتماعوں میں ان کی تقاریر پہلے پہل ترجمہ ہو جایا کرتا تھا لیکن بعد میں یہ ترجمہ بند کروا دیا گیا۔ چنانچہ ان کی تربیت سے عام ذہن یہی بنا کہ لوگ خواہ اس کام میں لگیں یا نہ لگیں ہم ضرور اس کام کو کریں گے بلکہ یہاں تک دلوں کے اندر یہ بات پیدا ہو گئی تھی کہ مولانا (خدانخواستہ) اگر اس کام سے ہٹ بھی جائیں۔ تب بھی ہم اس تبلیغی جد و جہد اور محنت کو جاری رکھیں گے۔ شاید اسی تربیت کا نتیجہ ہے کہ آج ان کی عدم موجودگی سے اک خلا بہت بڑا خلا محسوس کیا جا رہا ہے۔ اس کے باوصف اک گونہ اطمینان ہے کہ یہ کام اسی طرح بلکہ کیا بعید اس سے بھی زیادہ چلے۔ (بفضلہ بعونہ سبحانہٗ و تعالیٰ)

اُن کا دوسرا امتیاز خاص یہ تھا کہ وہ جس یقین کی قوت کے ساتھ دعوت کو پیش کرتے اس کی نظیر تلاش کرنا جوئے شیر لانے کے مترادف ہے۔ وہ آخرت، حشر و نشر، جنت و

دوزخ، جزا و سزا، تبلیغ کی اہمیّت وغیرہ کا جس اعتماد کامل، جس جذبے، جس والہانہ انداز اور جوش کے ساتھ تذکرہ فرماتے ۔ اکثر یوں محسوس ہوتا شاید مولینا اس کوچے سے ہو کر آئے ہیں اور یہ تمام چیزیں ان کی دیکھی بھالی ہیں ۔ ایمان و ایقان کے اس بھرپور جذبے کا یہ اثر ہوتا کہ سامعین تک کے دل اس کو محسوس کرتے ۔ ان کے اندر آخرت کی زندگی حاصل کرنے کا شوق ابھرتا اپنی سابقہ غفلت کی زندگی پر افسوس ہوتا۔ اور تمام اعذار کا پردہ چھٹ کر دین کی خاطر جان جھونکنے کا ولولہ اٹھتا۔ کئی ایک خوش نصیب تو اُسی وقت اپنی جان کو نقد پیش کر دیتے یہ کوئی معمولی بات نہیں ۔ وہ اس دنیاوی نظام دنیوی محنت اور فانی لذتوں کی بھی اس کامل یقین کے ساتھ نفی کرتے کہ سننے والوں اور پاس بیٹھنے والوں کے دلوں پر اس کے فانی ہونے کا احساس پیدا ہوتا۔ ان کے ہاں خصوصی اجتماعوں میں بڑے بڑے عہدہ دار، صنعت کار اور سرمایہ دار ہی کیوں نہ ہوتے مگر وہ اسی جذبے اور اعتماد سے بات کہتے ۔ مخلوق اور کسی بڑے آدمی سے تاثر لینا تو مولینا نے سیکھا ہی نہ تھا ۔ وہ جس طرح حکمرانوں، امیروں، وزیروں اور اعلیٰ عہدہ داروں کو اپنی تقاریر میں کوستے اور ان کا پوسٹ مارٹم کرتے ۔ یہ بھی انہی کا خاصہ تھا ۔

آخر ستمبر ۶۳ء کی بات ہے کہ مولانا بستی نظام الدین اولیاءؒ دلّی میں ایک بار بڑے جوش و خروش کے ساتھ یوں فرما رہے تھے۔ "انسانیت اس قدر خطرناک موڑ پر آ چکی اور نظام عالم اس قدر خراب ہو چکا کہ سمندر سے پانی نکل کر انہیں تباہ کر دے، آسمان سے بجلی گر کر انہیں ختم کر دے یا آگ انہیں جلا دے تو کوئی بعید از قیاس نہیں ۔ یہ عدالت کے فیصلے اور یہ نظام کتوں، سؤروں اور بھیڑیوں سے بڑھ کر نہیں اس میں انسانوں کا خون چوسا جاتا ہے ۔ یہ جو تم بڑی بڑی سڑکیں، محلّات اور کوٹھیاں دیکھ رہے ہو اس میں بے چارے بے کس انسانوں کے خون و پسینہ کو ظلم سے نکال کر ایسا کیا گیا ہے۔" دوسرے موقعے پر خصوصی گفتگو میں فرمایا ۔

"بڑے بڑے اونچے حضرات دین کے کل نظام کے احیاء کے متعلق مایوس ہو چکے ہیں لیکن ہم کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے ہاں کوئی مشکل نہیں ایک آنِ واحد میں تمام نظام عالم کو بدل سکتا ہے اور دین کی طرف مائل فرما سکتا ہے ۔ ہم اگر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے قائم کئے ہوئے محنت کے میدان کو مضبوطی سے پکڑ لیں تو اس وقت تمام عالم کا دین کی طرف مائل ہونے کا بہترین موقع ہے ۔ کیونکہ آج کل لوگ اور حاکم کتوں اور بھیڑیوں سے کم نہیں ہیں ۔ اہل یورپ کے لئے تو ایسا محسوس ہوتا ہے کہ وہ بہت جلد ہدایت کی طرف پڑ جاویں گے ۔"

ایک بار اس طرح ارشاد فرمایا :۔

"ہماری پریشانیاں محض نمازوں وغیرہ کے پڑھنے سے ہرگز دور نہیں ہو سکتیں ہم نمازیں تو پڑھ لیتے ہیں جس میں چند منٹ صرف ہوتے ہیں ۔ پھر اسی طرح اپنے کاروبار میں اسی ظالم نظام کی پیروی کرنے میں منہمک ہو جاتے ہیں ۔ جب تک اسلامی معاشرہ قائم نہ ہو اس وقت تک ہماری پریشانیاں دُور نہیں ہو سکتیں ——— اگر ہم اسلامی معاشرہ کو دنیا کے سامنے عملاً پیش کرنے والے بن جائیں تو دنیا اسی وقت باطل نظام کو چھوڑ کر اسلامی نظام کے اندر آ جائے ۔ اسی لئے میں کہتا ہوں کہ اب اپنے کاروبار، کھیتی باڑی اور اہل و عیال کو نہ دیکھو ۔ یہ وقت بہت ہی نازک ہے اور لوگوں کے ہدایت پر پڑنے کا بہترین موقع ہے ۔ اس لئے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے قائم کردہ محنت کے میدان میں اپنے تمام مالوں اور اسبابوں کے ساتھ کود پڑو اور انسانیت کی خدمت کر جاؤ ۔"

یہ ستمبر ۶۳ء کی آواز تھی اب جولائی ۶۴ء کے بھی دم خم دیکھیں ۔ مولانا ۷ر جولائی ۶۴ء کو ملٹری ہائی اسکول راولپنڈی میں فرما رہے تھے :۔

"میں قسم کھا کر کہتا ہوں جس طرح یہ تلواروں کو زیر کرنے والا راستہ ہے (تبلیغ دین اور دعوت الی اللہ کا رستہ مراد ہے ۱۲ ذوالفقار) اسی طرح اس زمانے کی ایجادات ایٹمیات و سائنس کو زیر کرنے والا ہے ۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اس زمانے کے لئے نبی نہ ہوتے یہ قیامت تک کے فیصلے ہیں ۔"

۸ر جولائی کو اسی مقام پر فرما رہے تھے :۔

"ہمیں ملک کے ساتھ ہونے کی ضرورت نہیں، ہتھیار کے ساتھ ہونے کی ضرورت نہیں امریکہ و روس کے ساتھ ہونے کی ضرورت نہیں جب خدا ہمارے ساتھ ہو جائے گا تو ہمیں کسی کے آگے ہاتھ پھیلانے کی ضرورت نہیں ہو گی ۔ ہم کو گورنروں، وزیروں، کروڑ پتیوں کے آگے ہاتھ جوڑنے کی ضرورت نہیں ہو گی بلکہ وہ ہمارے آگے ہاتھ جوڑیں گے ۔ امریکہ و روس ہمارے آگے جھکیں گے ۔ جس کے ساتھ اللہ تعالیٰ ہو جائیں گے وہ کائنات کی ہر چیز سے بے نیاز ہو جائے گا ۔"

مولانا کے بیانوں کے اقتباسات کچھ طویل ہی ہو گئے لیکن میرا مقصود صرف یہ تھا کہ وہ حضرات جو ان کی صحبتوں سے محروم رہے ہیں یا جنہیں ان کی تقاریر سننے کے بہت ہی کم مواقعے میسر آ سکے وہ قدرے اندازہ لگا سکیں کہ وہ کس یقین کی طاقت سے بات کہتے تھے ۔ مزید برآں ان کے درد کی خلش اور سوز کی تپش کا کیا عالم تھا ۔

وہ بحیثیت اک خطیب اور مقرّر کے بھی ایک منفرد مقام رکھتے تھے ۔ ایک ایسا شخص جو صبح تقریر کرتا، ناشتے پر گفتگو چلاتا، کھانے کے وقت بھی بولتا، عصر کے بعد خصوصی اجتماع میں بیان کرتا اور مغرب کے بعد پھر طویل تقریر کرتا ۔ ایسے انسان کی تقریر، گفتگو اور بیان میں جاذبیت بدستور قائم رہنا اور لوگوں پر محویت کا عالم طاری رہنا اسی وقت ممکن ہے جبکہ مقرّر فن تقریر میں ید طولیٰ رکھتا اور سامعین کی نفسیات سے کامل واقفیت رکھتا ہو ۔ بڑے بڑے پُرجوش مقرّر و خطیب اپنی تقریروں اور وعظوں کو دل چسپ بنانے کے لئے کئی کئی حربے استعمال کرتے ہیں کبھی شعروں کا برمحل استعمال، کبھی چٹکلوں اور لطیفوں سے کام، کبھی طولانی و مختصر قصّے کہانیاں، جملہ ہائے معترضہ کی بھرمار اور اصل موضوع سے ہٹ کر دنیا جہان کی باتیں، کسی وقت اپنی زندگی کے بہترین ایّام کی رام کہانی بنائی جا رہی ہے کبھی اپنے ساتھ پیش آمدہ حادثات و واقعات اور مزاحمات کا تذکرہ کیا جا رہا ہے ۔ کبھی تشبیہ و استعارے سے کام لیا جا رہا ہے ۔ بعض الفاظ کی نوک پلک کو درست کرتے ہوئے بھی دکھائی دیتے ہیں ۔ لیکن مولانا ان رواجی سکّوں اور وسیلوں میں سے کسی کو بھی نہیں چھُوتے تھے ۔ اس کے برعکس وہ اتنے بڑے عالم، شیخ وقت اور عالم اسلام کی سب سے بڑی تبلیغی جماعت کے امیر جماعت ہونے کے باوجود خطبۂ مسنونہ نہایت مختصر پڑھتے تھے ۔ بالعموم "نحمدہ و نصلی علیٰ رسولہِ الکریم ۔ اما بعد" پڑھ کر یوں گویا ہوتے :۔

"میرے بزرگو اور دوستو!" اور کبھی اس طرح کہتے "میرے بھائیو اور دوستو!" ان دو لفظوں میں کتنی دلکشی پائی جاتی تھی اس کا اندازہ

یہاں نقل کر دینے سے ہرگز نہیں لگایا جا سکتا۔ مولانا کے دہن مبارک سے ہی یہ الفاظ سننے کے بعد اس کا اندازہ کیا جا سکتا تھا۔ اس کے بعد مولانا عام مقرروں اور خطباء کے برخلاف بغیر کسی طویل یا مختصر تمہید کے اپنے درست موضوع کو چھیڑتے۔ مثلاً :۔

"حق تعالےٰ شانہٗ نے کامیاب زندگی گذارنے کے لئے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعے ایک طریقہ دیا ہے ۲۴ گھنٹے میں پیش آنے والے تمام اعمال کے طریقے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم لائے ہیں۔ اگر یہ طریقے زندگی میں آجائیں تو اس بات کی ضمانت دی گئی ہے کہ اللہ تعالےٰ ان کو اعلیٰ ترین عزت نصیب فرمائیں گے خواہ ان کے پاس ایٹمیات وغیرہ کچھ بھی نہ ہوں۔"

ایک دوسری تقریر کے ابتدائی جملے ملاحظہ ہوں :۔

"انسانوں کی جو زندگی بنے گی دنیا میں انسان جو چمکیں گے تو خواہش دبانے کے بعد پھر خواہش پوری کرنے کے لئے حدود قائم رکھیں۔ عورت، مکان وغیرہ کی خواہش کی ایک خاص حد رکھی ہے۔ خواہشات کے مقابلے میں احکامات والے طریقے ہیں۔ احکامات میں جیسا مکان کو بنانے کو کہا گیا ہے ویسا بنایا جائے شادی کا ایک طریقہ خواہش کا ہے۔ اس طریقے سے شادی نہ کی جائے بلکہ احکام کے مطابق شادی کرے۔"

ایک بار تعلیم کے حلقے لگے ہوئے تھے۔ ان کی آمد پر تمام حلقے ختم کر کے مجمع کو متوجہ کیا گیا۔ انہوں نے حسب عادت مختصر سا خطبہ پڑھ کر اس طرح تقریر شروع کی :۔

"جو علم انسان اپنے پاس رکھتا ہے وہ باقی رہنے والا نہیں ہے۔

جہالت کی دو قسمیں ہیں نہ جاننا اور غلط جاننا۔ اس لئے تعلیم کا لفظ بول کر دنیا کے علم کو جاننے پر محمول کر لیتے ہیں جو غلط استعمال ہے لفظِ علم کا۔ علمِ انسانی یہ ہے کہ لوہے سے یہ ہو سکتا ہے۔ راکٹ سے یوں ہو جائے گا۔ کارخانہ سے یہ ہو جائے گا گویا جن سے ہوتا کچھ نہیں اس کا علم ہے مگر جس سے سب کچھ ہوتا ہے اس کو جانتے نہیں۔ اس لئے یہ حقیقت میں علم نہیں۔"

وہ شعروں کے استعمال سے اکثر اوقات احتراز کرتے اور کبھی کبھار کوئی مصرع یا شعر استعمال کر بھی لیتے تو دلچسپی پیدا کرنے جوش دلانے یا سامعین کو خوش کرنے کے لئے نہیں بلکہ اپنا مدعا واضح کرنے کے لئے

میرے دلّی کے قیام کے زمانے میں (ستمبر ۵۶ء) ایک بار فجر کے بعد تقریر کرتے ہوئے مولانا نے حضرت امیر خسرو رحمۃ اللہ علیہ کا مشہور ترین شعر

من تو شدم تو من شدی من تن شدم تو جاں شدی
تا کس نہ گوید بعد ازیں من دیگرم تو دیگری

پڑھ کر فرمایا۔ "اس کا مطلب یہ نہیں کہ تم خدا ہو جاؤ۔ تمام انبیاءؑ، تمام صحابہؓ، تمام اولیاءؒ غوث، قطب، ابدال، صلحاء، شہداء اور سب سے بڑھ کر سید الاوّلین والآخرین حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم بھی خدا نہیں ہو سکتے اور نہ ہو سکے بلکہ بندے رہے مفہوم یہ ہے کہ اپنی چاہت اور اپنی مرضی نہ رہے جو چاہت اور رضا خدا تعالےٰ کی ہو وہی بندے کی ہو جائے۔ وحدت کا بھی یہی مفہوم ہے اور دوئی کو مٹانے کا بھی یہی مطلب۔ حلول وغیرہ کا مفہوم تو کفار و مذاہب باطلہ کا ہے۔ "حجاب خودی" بھی یہی ہے کہ بندے کی خواہشیں اللہ تعالےٰ کی خواہشوں پر چلنے سے مانع نہ آئیں۔ کلمہ بھی یہی چاہتا ہے اور جب بندہ اس مقام پر پہنچتا ہے تو تمام عالم، تمام حکومتیں اور زمین و آسمان کے خزانے حتیٰ کہ فرشتے بھی اس کے تابع کر دئے جاتے ہیں۔

امسال رائے ونڈ کے آخری اجتماع (آخری لکھتے ہوئے کلیجہ منہ کو آتا ہے) میں انسانی خواہشات پر تقریر کرتے ہوئے غالب کا شعر

ہزاروں خواہشیں ایسی کہ ہر خواہش پہ دم نکلے
بہت نکلے مرے ارماں ولیکن پھر بھی کم نکلے

پڑھا اور اپنے مقصد کی وضاحت کی — لیکن جیسا کہ ابھی عرض کیا کہ مولانا بہت ہی کم اشعار استعمال کرتے۔ گذشتہ سال پاکستان میں تقریباً ۵۰ مختصر و طویل تقاریر کیں لیکن کہیں بھی کوئی شعر استعمال نہیں کیا۔ اپنے آخری سفر میں ان کی ۱۰۰ سے زائد تقریریں ہوئیں۔ مگر سوائے محولہ بالا شعر کے کسی جگہ شعر کے استعمال کی ضرورت پیش نہیں آئی۔ مولانا کا منصب عام مقرروں اور خطیبوں سے الگ تھا وہ اس موضوع پر گفتگو کرتے جو خالص دینی اور غیر رواجی تھا۔ سیاسی دلچسپی کا نہیں جس سے عام طور پر طبیعتیں مرغوب ہو چکی ہیں — مولانا کا کام محض تقریر کرنا نہیں ہوتا تھا بلکہ لوگوں کو ایک عمل پر اٹھانا ہوتا تھا اس لئے ان کی دقتیں دیگر خطیبوں سے دوچند تھیں اس کے باوجود وہ نہایت کامیاب نظر آتے۔ اور لوگوں کو ایک عالی عمل میں لگانے کا باعث ہوتے

ان کی تقریر یا گفتگو سن کر کبھی یہ خیال پیدا نہیں ہوا کہ مولانا جان بوجھ کر علمی موشگافیوں اور نکتہ آفرینیوں سے کام لے رہے ہیں اس کے برعکس ہمیشہ یہی احساس ہوتا کہ ان پر حقائق و معانی کا ورود ہو رہا ہے جس میں ذرا بھی تکلّف یا آورد کو دخل نہیں۔ ع

کسی اور ہی کی پکار ہے میری زندگی کی صدا نہیں

اُن کے ہاں سامعین کی قلّت و کثرت میں کوئی حظِ امتیاز نہیں۔ ان کے سامنے اگر ایک غریب سے غریب اور مسکین سے مسکین انسان ہی کیوں نہ ہو وہ اسی جذبے، ولولے یقین اور جوش سے بات کہیں گے جس طرح ہزاروں کے مجمع میں کہتے۔ دن رات سفر کرنے اور صبح و شام بولنے کی وجہ سے طبیعت کا نڈھال ہونا، گلے کا بھول جانا اور دیگر عوارض میں مبتلا ہونا بھی ہوتا لیکن میں نے آج تک ان کو تقریر کے وقت کسی سفر کسی تکلیف یا معذرت کا اظہار کرتے ہوئے نہیں سنا بلکہ اپنی تکالیف کو چھپاتے ہی دیکھا۔ میں نے اکثر یوں محسوس کیا کہ وہ تقریر کے دوران جھوم رہے اور اس مزے سے باتیں کر رہے ہیں گویا تقریر کرنا کوئی معمولی سی بات ہے اکثر دو یا تین گھنٹے تک تقریریں کیں۔ مگر پانی پینے کی نوبت بہت کم آئی۔ ان کی تقریر میں عجیب طرح کی والہانہ کیفیت اور نشاطیہ رنگ ہوتا جس کا نتیجہ یہ ہوتا کہ سامعین اکتاہٹ محسوس کرنے کے بجائے محظوظ ہوتے اور محو تقریر رہتے۔ اس سلسلے میں اس بات کی طرف اشارہ کرنا بھی مناسب ہوگا کہ وہ تیزی سے تقریر کرتے اوّلاً اس کو من وعن نوٹ کرنا ہی مشکل ثانیاً اگر کسی کو قریباً پوری تقریر ضبط کرنے کی توفیق بھی ہو گئی تو وہ کیف و سرور اور جذبہ کہاں سے پیدا ہوگا جو ان کی تقریر سنتے وقت دلوں پر مرتسم ہوا کرتا تھا۔ میں نے اس چیز کو بھی بار بار محسوس کیا کہ وہ ہر موقع پر بالعموم نیا ہی مضمون باندھتے ایک شخص جو دن رات تقریریں کرتا ہوا آ رہا ہو اس کے ہاں تکرار بیان ہو جانا خلاف توقع نہیں لیکن ان کا کمال ہے کہ ان کے ہاں تکرار مضامین کی نوبت بہت ہی کم آئی اور اگر کسی جگہ آ بھی گئی تو کافی وقفے کے بعد اور وہ بھی نئے آہنگ و ڈھنگ کے ساتھ ورنہ بحیثیت مجموعی ان کی ہر تقریر کا موضوع علیحدہ ہی ہوتا اس کے علاوہ ان کی تقریر میں ایک ایسا عمومی رنگ ہوتا کہ ایک غیر مسلم بھی اس میں دلچسپی

لیتا۔

آپ اس حقیقت کو سامنے رکھئے کہ تبلیغی جدو جہد سراپا محنت، مجاہدے کا دوسرا نام ہے۔ اُس کے بغیر دین کی سرسبزی ناممکن ہے۔ مولانا اس مجاہدے کا خود بڑا نمونہ تھے۔ حقیقت یہ ہے کہ مولانا اس دَور کے مجاہدِ کبیر اور بطلِ جلیل تھے انہوں نے اس زمانے میں دین کی آبیاری کے لئے جتنے سفر کئے اس کی مثال عالم اسلام میں ڈھونڈنا مشکل ہے۔ ہند و پاک کا کون سا اہم مقام، شہر اور قصبہ ہے جہاں ان کے قدوم میمنت لزوم نہ پہنچے ہوں مکّہ معظمہ و مدینہ منورہ (زادہما اللہ عزاً و تعظیماً) میں اسی نیّت سے کئی بار سفر کر چکے ہیں۔ ۵۵ء سے ۶۵ء تک دو بار حج بیت اللہ اور دو بار عمرہ کے لئے تشریف لے گئے۔ اس سے پہلے بھی اسفار ہو چکے ہیں —— ۲۶ر مارچ ۶۵ء کو برہما جانے کا مصمّم ارادہ تھا مگر ویزے وغیرہ کی دِقّت کی بناء پر پاکستان ہی میں چند دن قیام کرنے کا ارادہ کر لیا۔ ان کا سفر اس قدر مشقّت و عزیمت سے بھرپور ہوتا کہ ان کے ساتھ سفر کرنا بڑی ہمت کا کام ہوتا۔ چند دنوں کے بعد طبیعتوں کے اندر تھوڑی دیر آرام کرنے کا خیال دامنگیر ہوتا (الّا ما شاءاللہ)

مولانا کی ایک اور خوبی نے دل میں گھر کر لیا۔ ان کے اس قدر تبلیغی انہماک اور جماعتوں کی آمد و رفت کے باوجود وہ جب تک بستی حضرت نظام الدین اولیاء رح رہتے۔ مطالعہ کے لئے کچھ نہ کچھ وقت ضرور نکالتے۔ چاشت کے وقت، ظہر کے بعد اور تہجد کے وقت انہیں اکثر اوقات مطالعے کے لمحات میسّر آجاتے۔ اس کے علاوہ درس و تدریس کا باقاعدہ سلسلہ بھی جاری رہتا۔ ظہر کے بعد سے عصر تک وہ احادیث مبارکہ کی اہم کتب بالخصوص ابوداوٗد شریف پڑھاتے۔

اُن پر علوم قرآنیہ اور معارف رحمانیہ کا جس طرح انکشاف ہوًا تھا اگر وہ قرآن مجید کی باقاعدہ تفسیر لکھتے تو اپنے زمانے کے بہت بڑے مفسّر ہوتے۔ علامہ شبلی نعمانی علیہ الرحمۃ نے اسلام کی کوئی باقاعدہ "تاریخ" نہیں لکھی لیکن اس کے باوجود وہ بہت بڑے مؤرخ اسلام تسلیم کئے گئے۔ اسی طرح اگرچہ مولانا نے کوئی باقاعدہ تفسیر نہیں لکھی۔ تاہم وہ مفسّر قرآن ضرور تھے۔ ان کی تقریریں اور بیانات اس پر شاہد عدل ہیں۔ کلام الٰہی میں سب سے زیادہ زور توحید پر دیا گیا اور اس کے بعد رسالت پر۔ قرآن پاک کیا ہے۔ کلمہ طیّبہ کی تفسیر کا دوسرا نام ہے۔ ان کے اکثر بیانات کلمہ طیّبہ کی تفسیر و تشریح میں ہوتے۔ جس تفصیل کے ساتھ انہوں نے کلمہ مبارکہ کو کھولا اس کی نظیر ملنا آسان نہیں۔ پھر اس احسن طریقے سے بیان کرتے کہ بڑے سے بڑا بدعتی بھی چیں بہ جبیں نہ ہوتا۔ کلام اللہ میں اطاعت خداوندی، اطاعت رسولؐ، قصص انبیاء، جنت و دوزخ، جزا، و سزا وغیرہ کا جس طرح ذکر ہوًا وہ اس کا بڑے شرح و بسط سے تذکرہ فرماتے خاص کر جنت و دوزخ کا اس تفصیل کے ساتھ ذکر ہوتا کہ اس کا نقشہ آنکھوں کے سامنے کھنچ جاتا۔

اسی طرح ختم نبوّت کے جس مفہوم کو انہوں نے کھولا وہ صرف انہی کے ساتھ خاص تھا۔

اس کے علاوہ قرآن میں جن اہم چیزوں پر زور دیا گیا ہے اس کا اس کثرت سے بیان ہوتا کہ باید و شاید۔ امر بالمعروف، نہی عن المنکر، تقویٰ، توکل، غیبت، حرام، حلال، شرم و حیا، حلم، نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ، صدقات، معاملات، اخلاص، اخلاق، ایمان و عمل صالح، ذکر و فکر، توبہ، استغفار وغیرہ ان کی تقریروں کے عام موضوعات تھے جن پر تفصیل سے گفتگو فرماتے۔

علومِ حدیث اور فنِ حدیث پر ان کی کتنی گہری نظر تھی۔ اس کے متعلق مولانا محمد بدر عالم میرٹھی مدنی۔ مولانا محمد ادریس کاندھلوی۔ مولانا حبیب الرحمٰن اعظمی۔ مولانا سید محمد یوسف بنوری اور مولانا محمد ظفر احمد عثمانی وغیرہم ماہرین احادیث حضرات ہی گفتگو کر سکتے ہیں تاہم اس کا اندازہ امام طحاوی نور اللہ مرقدہٗ کی معانی الآثار کی شرح اور اس کے مقدمے سے آسانی کے ساتھ لگایا جا سکتا ہے۔ اس کے علاوہ حیاۃ الصحابہ کی تین ضخیم مجلدات میں جس شرح و بسط کے ساتھ احادیث مقدسہ کی اہم کتب سے استفادہ کیا گیا وہ اس بات کا بیّن ثبوت ہے کہ مولانا کی نظر علوم نبویہؐ پر کس قدر وسیع تھی۔ ان کی تقریروں میں اکثر احادیث بھی بیان ہوتیں یا ان کے مفاہیم۔

مولانا کی نگاہ جس ژرف نگاہی اور وسعت کے ساتھ تاریخ اسلام بالخصوص سیرت رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم اور حیات صحابہ رض پر تھی اس کا جواب مولانا خود آپ تھے۔ تاریخ کی کتابیں لکھ لینا بھی ایک کام ہے۔ لیکن تاریخ کا حافظ ہونا بہت بڑا کمال ہے مولانا جس طرح حافظ قرآن تھے اسی طرح تاریخ اسلام سیرت النبیؐ خاص کر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کے ایک ایک واقعہ کے حافظ تھے۔ پھر حضرات صحابہ کرامؓ کی زندگی کی جزئیات پر جس طرح ان کی نظر جاتی تھی اس کا احصاء کرنا آسان کام نہیں۔ مولانا کی تقریر میں جو گرمی اور ان کے بیان میں جو تاثیر تھی اس میں صحابہ کرام رض کے واقعات و حالات کو بڑا دخل تھا وہ جس موضوع پر بھی بولتے صحابہ کرام رض کی زندگی کا ذکرِ خیر ضرور کرتے۔

انہوں نے ہزارہا مصروفیتوں اور ذمہ داریوں کے ہوتے ہوئے جس طرح تصنیف و تالیف کا سلسلہ جاری رکھا اس کی قدر و اہمیّت کا اندازہ وہی حضرات کر سکتے ہیں جنہیں ذرا بھی تحریر و تصنیف سے واسطہ پڑا ہے۔ ایک اہل قلم کو جتنا سکون اور فرصت میسر ہونی چاہئے اس کی زندگی کے لمحات جس قدر خلوت سے مزیّن اور جلوت سے عاری ہونے چاہئیں۔ مولانا کے معمولات اور سرگرمیوں اور ان پر تبلیغ دین کے فکر کو غالب پا کر ان کا تحریر کے کوچے میں داخل ہونا غیر معمولی کارنامہ ہے "حیاۃ الصحابہ رض" اور "طحاوی شریف کی شرح" ایسی کتابیں ہیں۔ جن کی وجہ سے ان کا نام اہل قلم کی فہرست میں عظمت کے ساتھ لیا جاتے گا۔ حضرات صحابہ کرامؓ پر عربی، فارسی اور اُردو وغیرہ میں اس قدر کتابیں حیطۂ تحریر میں آچکی ہیں۔۔ کہ بظاہر ان پر کسی اور انداز میں لکھنا، تنوع پیدا کرنا اور تازگی پیدا کرنا مشکل ترین اور نازک ترین مرحلہ ہے۔ ان کی بڑائی کا راز یہ ہے کہ انہوں نے حیاۃ الصحابہ کو نئے رنگ میں پیش کیا ہے۔ انہیں کثرت سے مختلف عنوانات سوجھے اور اس کے تحت جس طرح صحابہ کرامؓ کی زندگیوں کو یکجا کیا ہے۔ غالباً آج تک کسی ایک کتاب میں اس طرح اکٹھا نہیں کیا گیا۔ پھر صحابہ کرام رض کو دعوت و تبلیغ کے عمل میں جس طرح سرشار دکھایا ایسا بھی کسی ایک کتاب میں کہیں یکجا نظر نہیں آیا۔ مذکورہ بالا کتابوں کے سبب مولانا کا جہاں ایک طرف بحیثیت ایک اہل قلم کے سکّہ بیٹھا وہاں دوسری طرف وہ ایک وسیع المطالعہ عالم دین، محدّث اور مورّخ بھی روشناس ہوئے۔ حضرت مولانا تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کی کثرتِ تصانیف میں ان کے ۳۶۰ مواعظ اور ۹۰ کے قریب ملفوظات کی مجلدات کو بھی شمار کیا جاتا ہے۔ میں کہتا ہوں۔ اگر مولانا کے بیانات، تقاریر اور خصوصی گفتگوؤں کو باقاعدگی کے ساتھ ضبط کیا جاتا تو ان کے مواعظ کی تعداد کم از کم ۲ ہزار ہوتی۔ جہاں تک ملفوظات کی مجلّدات کا تعلق ہے اس کا شمار بھی سینکڑوں تک پہنچتا۔

امّت مرحومہ میں ایسا ہمہ وقت بولنے والا چشمِ فلک نے کبھی کبھار ہی دیکھا ہے۔ مولانا اپنے مقصد کی لگن میں اس قدر منہمک تھے کہ انہیں اپنے بیانات ضبط کروانے اور ملفوظات درج کروانے کا مطلق خیال نہ تھا تاہم یہ خوشی کی بات ہے کہ بعض عقیدت مند ان کی تقاریر کا کچھ نہ کچھ حصّہ محفوظ رکھتے رہتے تھے۔ اگر کسی وقت وہ یکجا کتابی شکل میں منصۂ شہود پر آگیا تو لوگوں کے ازدیادِ ایمان و ایقان کا سبب ہوگا۔ اسی طرح اگر مولانا کے وہ خطوط جو مختلف اطراف واکناف میں تحریر کئے اور کروائے گئے ترتیب و تہذیب سے آراستہ ہو کر زیورِ طباعت سے آراستہ ہوگئے تو مولانا کا بحیثیت ایک اہل قلم عارف ربّانی اور داعی حق ہونا مزید واضح ہو جائے گا۔ ان کے خطوط کا ایک ادبی نقطۂ نظر سے بھی جائزہ لیں تو بھی ان میں ایک عجیب رعنائی اور جاذبیت پائیں گے۔ مولانا کی عادت تھی کہ جس کسی انسان نے بھی انہیں خط لکھا انہوں نے ہزارہا مصروفیتوں کے باوجود اسے جواب سے ضرور نوازا۔ ان کا کوئی خط فکرِ دین اور دعوت الی الحق سے خالی نہیں پائیں گے۔

ان تمام خوبیوں کے باوصف وہ اپنے وقت کے بہت بڑے عارف اور شیخ وقت تھے۔ میرے اپنے اندازے کے مطابق مولانا کے جتنے مرید دنیا کے مختلف گوشوں اور مختلف شعبوں میں پائے جاتے ہیں۔ اتنے اس زمانے میں شاید ہی کسی بزرگ کے ہوں۔ فی الحقیقت مولانا شیخ العرب والعجم تھے۔ گذشتہ سال رائے ونڈ کے صرف یک روزہ اجتماع میں مولانا کے ہاتھ پر میواتی حضرات بیک وقت تین ہزار کی تعداد میں بیعت ہوئے جن میں کچھ خواتین بھی شامل تھیں (خواتین مردوں کے پیچھے تھیں) مولانا نے لاؤڈ سپیکر کے ذریعے ان کو توبہ کرائی۔ قریباً اتنی ہی تعداد میں امسال بھی میواتی حضرات اسی جگہ حلقۂ ارادت میں شامل ہوئے۔ ہندوستان کے میواتی الگ ہیں۔ مولانا کا کوئی سفر ایسا نہیں ہوا جہاں ان کے دست حق پرست پر کچھ نہ کچھ لوگوں نے بیعت نہ کی ہو۔ علماء، طلبہ، پروفیسر، تجّار، شہری، دیہاتی وغیرہ ہر طبقے کے لوگ حلقہ بگوش سلسلہ ہوتے۔ مولانا کی کوئی تقریر ایسی نہیں تھی جہاں ایک صوفی کی روح اور عارف ربّانی کا دل کارفرما نہ ہو۔ مولانا پر معارف لدنیہ کا نزول بڑی کثرت سے ہوتا تھا لیکن قدرت نے انہیں کسی اور ہی مقصد کے لئے پیدا کیا تھا اور وہ اسی مقصد میں مسلسل بڑھتے چلے گئے۔ مولانا کو دیکھ کر تصوّف کے معترضین و مخالفین کے لبوں پر مہر سکوت لگ جاتی اور ان کے اوہام و شکوک کہ تصوف جمود سکھاتا، بے عملی کی تعلیم دیتا اور لوگوں سے قطع تعلق پیدا کرتا ہے وغیرہ سب باطل ہوکر رہ جاتے۔ مولانا کے اندر عبادتی ذوق، استحضار، یقین و عشق اور شوق جنّت وغیرہ کی جو کیفیات پائی جاتی تھیں وہ سب تصوّف کا ثمرہ تھیں۔

دعا کو عبادت کا مغز فرمایا گیا ہے۔ مولانا جس انداز، جس جذبے اور جس طرح طویل دعا فرماتے تھے وہ صرف انہی سے مخصوص تھا۔ مولانا کی دعا بھی ایک چھوٹی سی تقریر ہوتی تھی۔ اور اس میں دعوت کا رنگ غالب ہوتا تھا۔ مولانا کی مؤثر ترین تقریروں سے بھی دل پسیج جاتے تھے۔ مگر دعا کی وجہ سے تو دل ہل جاتے تھے۔ مولانا کی تقریر میں اگر کوئی شامل نہیں ہو سکا تو وہ کوشش کرتا کہ ان کی اختتامی دعا میں ضرور شرکت کرے۔ دُعا بعض اوقات آدھ گھنٹے تک بھی چلی جاتی۔ ویسے بالعموم ان کی دعا ۱۵۔۲۰ منٹ تک ہوتی۔ دعا بھی اس تیزی کے ساتھ ہوتی۔ جس کے ساتھ تقریر کرتے۔ پہلے عربی میں دعائیں اس کے بعد اُردو میں۔ مولانا اس الحاح و زاری کے ساتھ دعا فرماتے کہ بڑے بڑے پتھر دل بھی نرم پڑ جاتے۔ دعا کے وقت اک کہرام سا مچ جاتا۔ اور لوگ بلک بلک کر رونے لگتے۔ گذشتہ سال راولپنڈی میں ایک اسکول کے ہال میں فجر کی تقریر کے بعد جو دعا ہوئی اس میں تمام مجمع دھاڑیں مار مار کر رو رہا تھا۔

مولانا کی دعاؤں کا حال اس وقت دیکھنے کا تھا جب پار سال وہ حج پر گئے ہوئے تھے جن لوگوں کو ان کی دعاؤں میں شرکت کی سعادت نصیب ہوئی۔ وہی حقیقی معنوں میں اس کی کیفیت کا اندازہ لگا سکتے ہیں۔

مولانا اخبار شاید ہی دیکھتے ہوں لیکن اس کے باوجود ان کے ہاں سیاسی شعور کی گہری جھلک دیکھی۔ اپنے زمانے کے سب سے بڑے داعی الی اللہ ہونے کی حیثیت سے وہ عالمی حالات پر بھی نگاہ رکھتے کہ انسانیت کا دھارا کس رُخ پر بہہ رہا ہے اور لوگوں کے مرغوبات کیا شکل اختیار کر رہے ہیں۔ نتیجے کے طور پر جو عوارض و امراض پیدا ہوتے ان کی صحیح تشخیص کرتے ان کے دکھوں کا علاج بتاتے۔ ہند و پاک کے ہر اہم اور مرکزی مقاموں پر بار بار جانا، ممالک عربیہ بالخصوص نجد و حجاز مقدس میں مستقل طور پر مبلغین رکھنا، خود بار بار جانا، حیاۃ الصحابہ عربی میں تصنیف فرمانا وغیرہ اُسی گہری سیاسی سوجھ بوجھ کا نتیجہ ہے۔ جن لوگوں نے ۳۰ رجون ۱۹۶۴ء کو لائل پور میں عصر کے بعد ان کی تقریر سنی (جس میں پرنسپل، پروفیسر، وکلاء، علماء، طلباء اور صنعت کار وغیرہ خصوصی لوگ شامل تھے) وہ اس بات کی گواہی دیں گے کہ اس تقریر کے پس منظر میں کتنی سیاسی بصیرت کارفرما تھی۔ مولانا نے بتایا تقسیم ہند کے بعد ان کے پاس ایک مشہور کمیونسٹ لیڈر آیا اور ان سے اپیل کی کہ وہ ان کے ساتھ مل جائیں تاکہ وہ سب مل کر پہلے سرمایہ داروں کے پیٹوں کو پھوڑ ڈالیں اس کے بعد دوسرے کام کریں۔ مولانا نے جو جواب دیا اس پر وہ لاجواب ہو گیا اور تسلیم کیا کہ آپ کی دعوت بہت اونچی ہے۔ اور روس و امریکہ کو زیر کرنے والی ہے مولانا بیانات میں کثرت کے ساتھ یورپ بالخصوص روس و امریکہ کی تہذیب و معاشرت اور ترقیوں کو پست ترین اور ذلیل ترین ثابت کرتے تھے۔ کیا یہ سب باتیں سیاسی شعور کا نتیجہ نہیں ؟

مولانا کی ہر خدمت کو سراہا جاتا ہے۔ مگر ان کی اُردو خدمات کی طرف کسی کا دھیان نہیں گیا۔ اُردو کی خدمت بالواسطہ دین ہی کی خدمت شمار کی جا سکتی ہے۔ اس لئے کہ عربی کے بعد جتنا مستند ذخیرہ اسلامی تصنیف و تالیف اور ترجمے کی صورت میں اُردو میں ملتا ہے کسی اور زبان میں نہیں پایا جاتا۔ ہندوستان میں اُردو دشمنی کی طرف بتدریج جو اقدام ہوئے اور جس طرح آہستہ آہستہ اسے مُلک بدر کیا جانے لگا ایسے میں مولانا نے ہندوستان کے گوشے گوشے میں اُردو میں تقریریں کر کے اُردو کو مقبول بنائے رکھا۔ تبلیغی اجتماعوں میں مختلف شعبے اور مختلف زبانوں کے لوگ ہوتے لیکن وہ سب اُردو میں ہی تقریر سنتے۔ مولانا کی تقریروں سے استفادہ کرنے کے لئے مدراسیوں، گجراتیوں اور بنگالیوں وغیرہ نے اُردو میں شدھ بدھ پیدا کی۔ مولانا کی خدمت میں یورپ و امریکہ اور جاپان وغیرہ کے نومسلم و مسلم سبھی آتے اور وہ بھی اُردو سیکھنے کی کوشش کرتے تاکہ مولانا سے پورا استفادہ کر سکیں۔ پاکستان میں بھی ان کی وجہ سے اردو کو بہت ترقی ہوئی۔ بالخصوص پختونوں، سندھیوں اور بنگالیوں کی اُردو فہمی میں مولانا اور ان کی جماعتوں کو بڑا دخل ہے ممالک عربیہ بالخصوص سعودی عربیہ میں بھی اُردو جاننے والے زیادہ تر وہی لوگ ہیں جو تبلیغ سے تعلق رکھتے ہیں۔ ان کی وجہ سے تبلیغی کام جہاں جہاں پہنچا وہاں وہاں اُردو

مولانا عبدالعزیز صاحب میواتی ۔ قصور

حضرت جی رحمۃ اللہ علیہ کے اوصاف

حضرت جی رحمۃ اللہ علیہ کو حق تعالیٰ نے اپنی بہت سی صفاتِ مرضیّہ سے بڑے بڑے حصّے نصیب فرمائے تھے ۔ اور اپنے دین کے شعبوں میں سے بہت سے شعبوں کو ان کے ذریعہ چلایا تھا جو حقیقت میں اُن کی ذات سے نہیں چلے بلکہ اُن کی ذات جن صفاتِ محمدیہ کی مظہر تھی اُس کے ذریعہ جو زبردست نصرتِ خداوندی اُن کے ساتھ تھی اُس کے ذریعہ وہ سارے شعبے چل رہے تھے ۔ انہوں نے ساری عمر کفر و شرک و باطل کے مقابلہ میں گذاری ۔ انہیں باطل کے ساتھ قلبی غیظ تھا ۔ انہوں نے بہیمیت کے خلاف آواز بلند کی تھی ۔ انہیں سارے ایسے انسانوں سے نفرت تھی جنہوں نے بہیمیّت کے مناظر قائم کئے تھے ۔ انہیں باطل و جابر طاقتوں کے مناظر مرعوب نہیں کرتے تھے بلکہ ہر ایک کے سامنے حق ظاہر کرنے میں بے باک تھے انہوں نے علومِ نبویّہ اور اسلاف کی زندگی کے طریقوں کی ترویج پر محنت کی ۔ انہیں اس سے والہانہ تعلّق تھا اور اس کے خلاف فضاہائے باطلہ سے اٹھنے ولے نقشوں کے ساتھ سخت غیظ و غضب تھا ۔ غرض بہت سی قسم کی ایسی خوبیوں کے حامل تھے جن کی بناء پر کفر و فسق سے اُٹھنے والے بہت سے فتنے اُن کے وجودِ با برکت سے مضمحل تھے ۔ اور خیر کے بہت سے شعبے ان صفات پر قوت پذیر اور ترقی کے رُخ پر تھے ۔ اگرچہ ظاہر میں انسان اسباب و وسائل سے ان کا جوڑ سمجھتے تھے ۔ اور آج وہ اسباب و وسائل ہی اُن شعبوں کی ترویج کے لئے ساعی ہونگے لیکن ان صفاتِ عالیّہ کا فقدان غیبی نصرتہائے خداوندیہ سے محرومی کے خطرات سامنے لا رہا ہے بہت سے خیر کے شعبے مضمحل اور بہت سے فتنہائے مُضِلّہ سے ابھرنے کے خطرات سامنے ہیں لہذا یہ مصیبت اس دنیا میں پیش آنے والے مصائب میں سے شدید ترین مصیبت ہے اور ان صفاتِ عالیہ کے اکتساب کے لئے محنت و مجاہدہ ہی ان خطرات کا علاج ہے ۔ ذواتِ انسانیہ فنار ہی کے لئے ہیں ۔ حق تعالےٰ نے موت کا فیصلہ پہلے فرمایا اور ذات انسان کی خلقت بعد میں فرمائی لیکن صفات فنا کے لئے نہیں بلکہ اس عالم کے رہنے والوں میں منتقل ہونے کے لئے ہیں ۔ اور ان کے اکتساب سے وہی محنتیں اور ریاضتیں مطلوب ہوں گی جس پر جانے والے کو حق تعالےٰ شانہٗ نے اپنی صفاتِ مرضیّہ سے نوازا ۔ جب ان صفات کے اکتساب پر محنتوں کا سلسلہ قائم رہے گا ۔ صفات رہنے والوں میں منتقل ہوتی رہیں گی اور یہ زمین و آسمان اسی طرح قائم رہے گا ۔ اور خیر کے سارے شعبے اسی طرح چلتے رہیں گے ۔ اور جب اکتسابِ فیوض سے رُخ دوسری طرف پڑ جائے گا ۔ صفاتِ حسنہ کے سلسلے کم ہوتے چلے جائیں گے ۔ بلایا کی بکھیر اہلِ عالم پر بڑھتی چلی جلتے گی یہاں تک کہ ان صفات کے فنائے کُلّی پر فناء عالم کے ہولناک مناظر آنکھوں کے سامنے آ جائیں گے ۔ اگر حق تعالےٰ شانہٗ اپنے لطف و کرم سے اپنی صفاتِ مرضیّہ پر قائم ہونے کا رُخ پیدا فرما دیں تو بڑی سے بڑی ہستی بھی اس عالم سے جائے تو اُس کے جانے پر واقع ہونے ولے فتنوں کا رہنے والوں کے ذریعہ انسداد فرما دیتے ہیں ۔ اور اپنی راہ کی ترقیّات کے میدانوں کو ترقی پذیر فرما دیتے ہیں اور جانے والی ذات اگرچہ فنار ہو جاتی ہے لیکن متوسّلین و متعلّقین میں صفات کی راہ سے وہ زندہ شمار کی جاتی ہے اور اس سے متعلّقہ نعمتیں چلتی رہتی ہیں ۔ تمام اولیائے کاملینِ امتِ محمدّیہ رحمہم اللہ اجمعین حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ گرامی کے مقابلہ میں ایک جزو کی سی بھی حیثیت نہیں رکھتے مگر ان کی عظیم و اعلیٰ ترین ذاتِ گرامی نے بھی جب اس عالم کو چھوڑا اور ارتدادِ عام کے ہولناک مناظر اس امت کے پاکیزہ نفوس کے سامنے آئے تو ان میں نفوس قدسیہ نے صفاتِ نصرتہائے خداوندیہ کو اصل قرار دے کر دین کی سرسبزی اور فروغ کے لئے محنت کے میدان قائم کئے اور ان صفات محمدیّہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اتصاف کے ذریعہ خداوند قدّوس کے مناظر نصرت کے قیام کے ساتھ دارین کی ترقیّات حاصل کر کے اہلِ عالم کے لئے ذواتِ طیّبہ کے انتقال کے موقعوں پر اللہ رب العزّت کی مدیں حاصل کرنے کے ضوابط و اصولِ اہلِ عالم کے سامنے پیش کر دئے تاکہ جب بھی اس قسم کی مصیبتیں آئیں اصل مصیبت کو سامنے لا کر اصل علاج میں اپنے کو مشغول کر دیں ۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے

يَآ اَيُّهَا النَّاسُ اَيُّمَا اَحَدٌ اُصِيبَ بِمُصِيبَةٍ فَلْيَعْتَزَّ بِمُصِيبَتِهٖ بِىْ عَنِ الْمُصِيبَةِ الَّتِىْ تُصِيبُهٗ فَاِنَّ اَحَدٌ مِّنْ اُمَّتِىْ لَنْ يُصَابَ بِمُصِيبَةٍ بَعْدِىْ اَشَدَّ عَلَيْهِ مِنْ مُصِيبَتِىْ

(رواہ ابن ماجۃ کما فی الکنز)

لِكُلِّ اخى مشكل عزوةٌ وّاُسوةٌ
اذا كان من اهل التّقى فى محمّد
اِصبر لكلّ مصيبةٍ وَتجلّدا
وَاعلمْ بانّ المرءِ غيرُ مخلّد
وَاذا ذكرتَ مصيبة تسلو بها
فاذكرْ مصابكَ بالنّبىّ محمّد
ولوكانَ فى الدّنيا بقاءٌ لساكنٍ
لكانَ رسولُ الله فيها مخلّدا
وَما اَحدٌ ينجو من الموتِ سالماً
وَسهمُ المنايا قد اصابَ محمّدا
وَهَلْ عَدَلَتْ رزيةٌ هالكٍ
رزيةَ يومٍ ماتَ فيهِ محمّد
فجودى بالدّموعِ واعدلى
لِفقدِ الّذى لامثلهُ لِلدّهر يوجَدُ
وما فقد الماضون مثل
ولا مثله حتّى القيامةِ يَفقَدُ

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مصائب کی اصل کی طرف رہبری فرمائی جو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس امت سے جدا ہونے کی بنار پر ہر وقت کی مصیبت ہے لیکن اس کے صحیح اوقات وہی ہیں جس کسی مصیبت کے رنج و غم میں ہم مبتلا اس قسم کے سارے مصائب ہی ا[illegible] ہیں کہ آپ کی جدائی کی مصیبت میں مبتلا ہیں ورنہ کل مصیبۃٍ بعدك کے اعتبار سے اگر آپ تشریف فرما ہوتے ہماری مصیبت مصیبت ہی نہ ہوتی ۔ ا[illegible] اس مصیبت کی اگر اصل مصیبت کا احس[illegible]

باقی صفحہ

زمیں کھا گئی آسماں کیسے کیسے

سلطان محمد مردانی چک ۲۰۲ - گٹی ضلع لائل پور

موت کی آمد یقینی ہے اور آمد کا وقت بھی مقرر ہے - وقت مقررہ سے ایک سیکنڈ بھی پس و پیش نہیں ہو سکتی - چھوٹے بڑے - اچھے بُرے - عالم جاہل سب ہی قسم کے افراد اس کا لقمہ بنتے ہیں۔ موت سے کسی کو رہائی نہیں مل سکتی ہر کہ و مہ کے لئے موت کی آمد ہی اس بات کی دلیل ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات تمام مخلوقات پر غالب ہے۔

فائدے اور نقصان کے اعتبار سے مرنے والوں کی چار موٹی موٹی قسمیں کی جا سکتی ہیں۔

۱- جن کا عدم وجود سے بہتر ہے یہ وہ لوگ ہیں جن کی زندگی نفس امارہ کی پیروی میں گذرتی ہے - جن کی راتیں رقص میں کٹتی ہیں - جن کے دن کمزور و ناتواں انسانوں کے خون چوسنے میں گذرتے ہیں - جن کے ہاں عیش و نشاط کی محفلوں کو بارونق رکھنے کے لئے اور خواہشاتِ نفسانی کی تکمیل کے لئے ظلم و ستم - جور و جفا کا ہر وہ حربہ استعمال کرنا جائز ہے جس سے ان کے جذبۂ شیطنت کو تسکین ہوتی ہو خواہ یہ تسکین کسی کی عزتِ نفس پر ڈاکہ ڈالنے سے ہو یا مال و زر پر ہاتھ صاف کرنے سے یا کسی اور طریقہ سے ہو۔

غرض ان کی زندگی کا مقصد خواہشاتِ نفسانی کی تکمیل ہی ہوتا ہے - اس قسم کے درندہ صفت لوگوں کی موت مظلوم انسانوں کے لئے پیغام حیات ہوتی ہے - ایسے ہی جور پیشہ - خون آشام ظالم و جابر قسم کے لوگوں کے بارہ میں شیخ سعدیؒ نے فرمایا ہے ؎

ظالمی خفتہ دیدم نیم روز
گفتم این فتنہ است خوابش بردہ بہ
وانکہ خوابش بہتر از بیداری است
آنچناں بد زندگانی مُردہ بہ

ترجمہ:- میں نے ایک ظالم کو دیکھا جو دوپہر کے وقت خواب خرگوش کے مزے لے رہا تھا میں نے کہا اس فتنہ انگیز ظالم کا سونا ہی بہتر ہے - جس شخص کی نیند بیداری سے بہتر ہو ایسے بدمعاش کا مرنا ہی اچھا ہے - تاکہ مظلوم اسکی [illegible]ہ دستیوں سے محفوظ ہو جائیں۔

۲- دوسرے وہ لوگ ہیں جن کا عدم و وجود یکساں ہوتا ہے نہ موت سے نقصان نہ حیات سے فائدہ یہ وہ لوگ ہوتے ہیں جو خود بھی کسی پر بار نہیں ہوتے اور دوسروں کا بوجھ بھی ان پر نہیں ہوتا - یعنی یہ بے ضرر ہوتے ہیں -

۳- تیسرے وہ لوگ ہیں جن کا وجود عدم سے تو اچھا ہوتا ہے مگر ان کی موت سے صرف ایک گھرانہ یا ایک خاندان یا علاقہ متاثر ہوتا ہے ایسے آدمی کی موت باعثِ نقصان تو ہوتی ہے مگر محدود علاقے اور محدود افراد کے لئے۔

۴- چوتھے وہ ہیں جن کا وجود عدم سے بدرجہا افضل ہوتا ہے یہ وہ لوگ ہیں جو اپنے پاکیزہ قلوب میں پوری انسانیت کا درد رکھتے ہیں - جن کی زندگی کے قیمتی لمحات انسانیت کی فلاح و نجات کی فکر میں بسر ہوتے ہیں، انہیں اپنے خدا پر بھروسہ و اعتماد ہوتا ہے اور رضاءِ الٰہی کے لئے دن رات کوشش کرتے ہیں خالق سے ٹوٹی ہوئی مخلوق کو خالق سے جوڑنے کے لئے اپنی جان و مال اہل و عیال تک کو قربان کرنے میں ذرا سی جھجک محسوس نہیں کرتے - ان میں بھولے بھٹکے انسانوں کو راہِ راست پر لانے کا جذبہ جنون کی حد تک موجود ہوتا ہے - یہی وہ اعیانِ امت ہیں جن کی وفات حسرت آیات سے سارے جہان کو صدمہ ہوتا ہے - ایسے اشخاص کی موت عالم کی موت ہوتی ہے یہی لوگ کرۂ ارضی کے سکان میں آسمان کی حیثیت رکھتے ہیں حضرت جی رحمۃ اللہ علیہ بھی اسی سلکِ مروارید کے ایک گوہر گراں بہا تھے مولانا محمد الیاسؒ نے تبلیغ کے جس پودے کو اپنے دستِ مبارک سے نظام الدین دہلی کی سرزمین میں لگایا تھا - اس پودے کی آبیاری کرنے والے - اسے تناور درخت بنا کر اس کی شاخوں کو دور دراز ممالک تک پھیلا کر ترقی دینے والے حضرت جی رحمۃ اللہ علیہ ہی تھے - حضرت جی رحمۃ اللہ علیہ نے اس ننھے پودے کو دن رات کی محنتِ شاقہ سے اور سعی پیہم سے شجرۂ طیبہ بنایا تھا اور اس حد تک ترقی دی کہ اب بیرونی ممالک میں تبلیغی مراکز قائم کئے جا چکے ہیں اور قائم ہو رہے ہیں اور بے شمار تبلیغی وفود ہر سال اندرونِ ملک اور بیرونِ ملک بھیجے جا رہے ہیں جن سے بفضلِ خدا خاطر خواہ نتائج برآمد ہو رہے ہیں - یہ سب کچھ فضلِ ایزدی اور پھر حضرت جی رحمۃ اللہ علیہ کی انتھک کوشش کا نتیجہ ہے اب جبکہ حضرت جی رحمۃ اللہ علیہ جماعت کے درمیان سے رحلت فرما چکے ہیں صرف جماعت ہی نہیں بلکہ سارا عالم حضرتؒ کا سوگوار ہے - اس لئے کہ چشمِ فلک کو روز روز ایسی ہستیوں کی دید نصیب نہیں ہوتی ؎

بڑی مشکل سے ہوتا ہے چمن میں دیدہ ور پیدا

یہ وہ ہستیاں ہیں جن کی زندگی قُلْ اِنَّ صَلَاتِیْ وَ نُسُکِیْ وَ مَحْیَایَ وَ مَمَاتِیْ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ کی جیتی جاگتی عملی تفسیر ہوتی ہے - ایسے افراد کی وفات سے پس ماندگان کو تو بے پناہ غم و الم لاحق ہوتا ہے مگر خود وفات پانے والوں کی ارواحِ مقدسہ کو قفسِ عنصری سے پرواز کرنے سے قبل ہی یَآ اَیَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ ارْجِعِیْٓ اِلٰى رَبِّكِ رَاضِیَةً مَّرْضِیَّةً فَادْخُلِیْ فِیْ عِبٰدِیْ وَادْخُلِیْ جَنَّتِیْ کی بشارتِ عظمیٰ مل جاتی ہے جس کے آثار و علامات منور پیشانی اور تبسم کناں لبوں پر نمودار ہو کر زائرین کو رشک دلاتے ہیں بقولِ شاعرِ مشرق ؎

نشانِ مردِ مومن با تو گویم
چو مرگ آید تبسم بر لب اوست

یوں تو تبلیغ کا کام علماء کرام انفرادی طور پر اپنی اپنی جگہ پر بھی انجام دے رہے ہیں، مگر جس طرزِ تبلیغ کی بنیاد حضرت مولانا محمد الیاس رحمۃ اللہ علیہ نے رکھی ہے اس میں بے پناہ اثر ہے - اتنا اثر انفرادی طور پر تبلیغ کرنے والے واعظین کی "شعلہ بار" تقریروں سے کبھی دیکھنے میں نہیں آیا - وجہ یہ ہے کہ عام مبلغین حضرات وعظ و نصیحت کا شوق تو رکھتے ہیں مگر اصولِ تبلیغ کی پابندی گوارا نہیں فرماتے جس کا اثر اتنا ہی ہوتا ہے کہ دورانِ تقریر سامعین داد و تحسین کے فلک بوس نعروں سے "آتش بیان مقرر" کو تو خوش کر دیتے ہیں - مگر فرمودۂ مقرر پر عمل کرنا ضروری نہیں سمجھتے - بلکہ [illegible] اوقات تو سامعین کو بجائے فائدے کے الٹا نقصان ہوتا ہے وہ سمجھتے ہیں کہ اگر ان باتوں پر عمل پیرا ہونا ضروری ہوتا تو خود مقرر صاحب بھی پیکرِ عمل ہوتے غرض اصولِ تبلیغ کو نظر انداز کر دیا جائے تو تبلیغ کا ذرہ برابر بھی اثر نہیں ہوتا (الا ماشاء اللہ)

تبلیغ کے اصول چند ایک درج ہیں۔

(باقی صفحہ ۳۸ پر)

از:- مولانا محمد ادریس انصاری - صادق آباد

مولانا محمد یوسف شہید رح

طالب علم کی حیثیت میں

اپریل ۱۹۶۵ء کا مہینہ دن کے ۷ یا ۸ بجے چائے سے فارغ ہو کر مطب جانے والا تھا۔ کہ دستک کی آواز آئی۔ مطب آیا۔ تو ایک مریض کو دیکھا جس کے ہاتھ میں "کوہستان" لاہور کا اخبار تھا۔ مرض معلوم کیا۔ دواء تجویز کی۔ دوائی دی۔ اور استعمال کی ہدایات مریض نے پہلی خوراک، استعمال کرنے کی تیاری کی تو میں نے کہا۔ عرصہ ہو گیا اخبار دیکھے ہوئے۔ لائیے اپنا اخبار۔ دیکھوں دنیا میں کیا ہو رہا ہے؟ مریض نے اخبار دیا۔ تھوڑے ہی وقت میں اخبار کی جلی سرخیوں پر سرسری نظر ڈالی۔ مگر کوئی دلچسپ عنوان نظر نہ آیا۔ اخبار کا پچھلا حصہ دیکھا۔ سرخیوں پر نظر کرتے ہوئے ایک ماتمی حاشیہ والی سرخی پر نظر پڑی۔ ہند و پاک کے جید عالم مولانا محمد یوسف دہلوی حرکت قلب بند ہونے سے لاہور میں وفات پا گئے۔ مضمون پڑھا تو اس میں وفات اور مولانا کے متعلق تفصیلاً لکھا ہوا تھا۔ مگر پوری تفصیل پڑھ کر قلب مولانا کے انتقال کو تسلیم نہیں کرتا تھا۔ پھر پڑھا۔ اور اس کے مندرجات کو بار بار پڑھ کر یقین آیا۔ کہ مرحوم مولانا محمد یوسف نے اللہ کے فضل سے مَوْتُ الْغُرْبَةِ شَهَادَةٌ کا مقام بھی پا لیا ہے۔

انا للہ پڑھی۔ دل کو مناتا تھا پر دل نہیں مانتا تھا آخر۔ کل من علیہا فان ویبقی وجہ ربك ذوالجلال والاکرام والی آیت نے شک اور یقین کی جنگ میں حضرت جی کی موت کا یقین غالب کر دیا۔ تین یوم تک حواس مختل رہے ہمیشہ پڑھنے والی دعائیں بھی ذہن سے نکل گئیں۔ مگر تا بہ کے۔ دل کو سمجھایا کہ مولانا۔ اگر چل بسے۔ تو کیا ہوا۔ ان کا کام دین پر محنت، ان کے بیانات، اور مرحوم کی تصنیفات مولانا کا بدل اور ان سے محبت و اخلاص والوں کے لئے مرحوم گئے نہیں بلکہ ان میں موجود ہیں ؎

چونکہ شد خورشید ما را کرد داغ
چارہ نہ بود در مقامش جز چراغ
چونکہ گل رفت و گلستاں شد خراب
بوئے گل را از کہ جوئیم؟ از گلاب

وفات کہوں۔ یا شہادت کے چند دنوں بعد احباب نے بتلایا کہ خدام الدین "حضرت جی نمبر" نکال رہا ہے جس میں حضرت جی کے حالات زندگی قلمبند کئے جائیں گے۔ "حضرت جی" "شہید" کے حالات و واقعات فلاں تاریخ تک دفتر خدام الدین میں بھجوا دیئے جائیں۔ مگر اس دعوت کے باوجود قلب میں داعیہ لکھنے کا پیدا نہ ہوا۔ اس لئے کہ مرحوم حضرت جی" اور ان کے والد ماجد قطب العالم حضرت محمد الیاس صاحب رحمۃ اللہ علیہ" اپنے حال و قال کی اشاعت و تشہیر سے بہت گریز فرمایا کرتے تھے۔ بالخصوص حضرت قطب العالم مولانا محمد الیاس صاحب نور اللہ مرقدہٗ اس مسئلہ میں بیحد محتاط تھے۔ کہ ان کی تحریک کا کوئی تذکرہ بھی اخبارات و رسائل میں نہ آنے پائے۔

بنا بریں" خدام الدین" جو اس وقت نہایت سادگی و سلامت روی کی راہ اختیار کئے قرآن وسنت اہل اللہ" محققین صوفیاء کرام" کے مسلک کی ترجمانی کر رہا ہے۔ اس کی دعوت میرے لئے باعث کشش نہ ہو سکی۔ مگر، کچھ دن گذر جانے پر چودھری شاہ محمد صاحب، جو حضرت لاہوری نور اللہ مرقدہٗ کے حلقۂ ارادت میں شامل ہیں تشریف لائے اور فرمایا کہ مولانا محمد یوسف رح کا چونکہ تو ہمدرس رہا ہے اس لئے ان کے حالات لکھ کر" خدام الدین" کے "حضرت جی نمبر" کے لئے ضرور بھیجنا چاہیئے تاکہ اللہ کی مخلوق کے لئے ذریعہ ہدایت اور پیاسوں کے لئے باعث تسکین ہوں۔ چودھری صاحب کے ارشاد پر خیال میں یہ بات آئی کہ نمبر تو چھپ ہی جائے گا۔ حضرت جی کی سوانح حیات کا وہ حصہ شائع ہونے سے رہ جائے گا۔ جو میرے حافظہ میں محفوظ ہے۔ لیکن طبیعت اب بھی پوری طرح آمادہ نہیں ہوئی۔ آخر استاذ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا صاحب شیخ الحدیث مدظلہم العالی کی خدمت اقدس میں سہارن پور استصواب کے لئے عریضہ ارسال کیا چونکہ حضرت مولانا محمد یوسف صاحب رح کو اس عظیم کام کی عظیم ذمہ داریاں سنبھالنے اور حضرت جی کو ان کے اس مقام پر پہنچانے میں در اصل حضرت شیخ الحدیث مدظلہم العالی کی توجہات و تربیت کو بہت بڑا دخل ہے ؎

ہر کہ تنہا نادرے ایں رہ برید
ہم بعون ہمت مرداں رسید

میرے عریضہ کے جواب میں حضرت شیخ الحدیث نے اپنے مکتوب گرامی میں تحریر فرمایا" خدام الدین کے حضرت جی نمبر" کے لئے شوق سے مضمون لکھو۔ میری طرف سے اجازت ہے ـــــ اس لئے چند سطور لکھ کر "حضرت جی نمبر" میں شامل ہو رہا ہوں

حیات مولانا محمد یوسف شہید رح کو پانچ شعبوں میں تقسیم کرتا ہوں۔

(۱) "حضرت جی" طالب علم کی حیثیت میں۔
(۲) "حضرت جی" عالم دین کی حیثیت میں۔
(۳) "حضرت جی" مصنف و معلم کی حیثیت میں۔
(۴) "حضرت جی" مصلح یعنی ایمان و یقین کے داعی کی حیثیت میں۔
(۵) حضرت جی، زاہد فقیر اور درویش کی حیثیت میں۔

اس وقت زندگی کے شعبہ علا پر لکھنے کا خیال ہے۔ کیونکہ دیگر شعبہ جات تو مرحوم کی مفصل سوانح میں ہی زیر بحث آ سکتے ہیں

ز فرق تا بہ قدم ہر کجا کہ می نگرم
کرشمہ دامن دل می کشد کہ جا اینجاست

بچپن میری والدہ صاحبہ مدظلہا فرماتی ہیں کہ میں اور حضرت جی رح کی والدہ ماجدہ قطب العالم حضرت مولانا خلیل احمد صاحب مہاجر مدنی نور اللہ مرقدہٗ "سہارنپور کے قیام کے دوران اپنے حضرت رح کی خدمت میں جایا کرتے تو مولوی یوسف کی عمر اس وقت ۳ سال سے کچھ اوپر ہو گی۔ حضرت مولانا خلیل احمد صاحب جب گھر میں تشریف لاتے تو مولوی یوسف پر خاص شفقت فرماتے اور مولوی یوسف سے پوچھتے ہاں بھائی کہاں جاؤ گے۔ تو مولوی یوسف جواب دیتے حج کو جاؤں گا۔ فرماتے کس پر بیٹھ کر جاؤ گے۔

تو کہتے - اس بکری کے بچّہ پر بیٹھ کر جاؤنگا اس جواب پر حضرت بہت خوش ہوتے اور پھر جب بھی تشریف لاتے یہی دریافت فرماتے اور مولوی یوسف وہی جواب دیتے۔ حضرتؒ کے ایک خادمہ رہتی تھی - اس کی بکری کا بچّہ تھا - جس کے پیچھے مولوی یوسفؒ دن بھر پھرتے رہتے اور کہتے - چل تیرے پر بیٹھ کر میں حج کو جاؤں گا - حضرت مولانا خلیل احمد صاحبؒ فرمایا کرتے - مولوی الیاس کا یوسف - انیس کا ادریس - اور رحمتیؒ حضرت کی خادمہ کا نام ہے" کا بکرا نیچے نیچے بڑھتے ہیں - اوپر کو نہیں مطلب یہ ہوتا تھا کہ سارے پستہ قد ہیں عمر کے لحاظ سے قد نہیں کرتے - ہونہار بروا کے چکنے چکنے پات

حضرت جی طالبعلم کی حیثیت میں

۲۳ سال پہلے کی بات ہے کہ راقم الحروف قرآن پاک ختم کر کے اپنے وطن انبٹہ پیرزادگان سے فارسی پڑھنے کے لئے مظاہر العلوم سہارنپور کو گیا - مدرسہ میں فارسی کے اُستاد مولانا محمد حسینؒ سے حمد باری، آمدنامہ مصدر فیوض، تاریخ حبیب الٰہ دو جز اسیر کتابیں ایک سال میں پڑھ لیں - دوسرے سال شوال میں حضرت مولانا محمد الیاسؒ کے شاگرد مولانا منیر الدین صاحب میواتی سہارنپور تشریف لائے - اور حضرت والد صاحبؒ کو حضرت کا پیغام دیا کہ ادریس کو میرے پاس نظام الدین بھیجدو - حضرت والد صاحبؒ نے مولانا کے فرمانے پر مجھے مولانا منیر الدین صاحب کے ساتھ نظام الدین بھیجدیا - ریل میں بیٹھ کر بہت خوش ہوئے - شام کو دہلی اتر کر نظام الدینؒ پہنچا - جو ایک چھوٹی سی بستی دہلی سے ۳ میل کے فاصلہ پر ہے والدین کی جدائی نیا ماحول دیکھ کر اوّل اوّل اداس رہتا - عصر کے بعد مسجد میں بیٹھ کر گھر کی جدائی میں روتا تھا - مگر حضرتؒ کی شفقت ومحبت نے چند دنوں میں والدین کی جدائی کو بھلا دیا - حضرتؒ نے مجھے اپنے حجرہ میں ٹھیرایا - اپنے گھر سے میرا کھانا کیا - اور اپنے ساتھ بٹھا کر ہمیشہ کھانا کھلایا - گویا کہ حضرتؒ نے مجھے بھی اپنے گھر کے افراد میں شامل فرمالیا - اپنے گھر کی حضرت کے گھر میں جاتا تھا - اور اپنے گھر کی طرح حضرت کے گھر میں بے تکلف کھاتا پیتا تھا - حضرت جی مرحوم میرے ہم عمر تھے اور ہم بھائیوں کی طرح رہتے تھے - دو چار دن بعد حضرتؒ نے اپنے پاس مجھے کریما شروع کرایا - مطالعہ کا طریقہ بتلایا - کریم اللغات دی - اور فرمایا جس چیز کے معنی نہ آئیں اس میں دیکھ لو - اور ایک ایک شعر کا ترجمہ از خود کر کے مجھے سنا دیا کرو - اور فی شعر مجھ سے ایک پیسہ لے لیا کرو - جتنے شعروں کو سناؤگے اتنے پیسے تمہیں دوں گا - مطالعہ میں جو سمجھ میں نہ آئے پوچھ لینا - سبق کے وقت مجھے کچھ بتلانا نہ پڑے حضرتؒ کے اس منفرد طریقۂ تعلیم سے کچھ دنوں میں کریما پڑھنا آگیا - اور کریما پڑھا کر دوسرے استاد سے نام حق شروع کرا دیا - پھر سرور المحزون - بدائع منظوم اور مالابدمنہ دوسرے اُستادوں سے شروع کرائیں -

حضرت جیؒ قرآن پاک حفظ کرچکے تھے اور قاری معین الدینؒ صاحب سے تجوید کی مشق اور قرآن پاک کی گردان کیا کرتے تھے - قاری معین الدین صاحب حضرتؒ کے شاگرد تھے اور غالباً حضرت مولانا خلیل احمد صاحب سے بیعت تھے مزاج کے سخت تھے مولانا محمد یوسفؒ کی جب پٹائی کرتے تھے تو اُن کی صاحبزادگی کا قطعاً خیال نہیں کرتے تھے - ان کے مارنے پر مولانا محمد یوسفؒ کی والدہ ماجدہ دام ظلہا سن کر ناراض ہوتیں - مگر حضرتؒ اس معاملہ میں بڑے صابر و ضابط واقع ہوئے تھے - کبھی بھی قاری صاحب سے جواب طلب نہ فرمایا - اور نہ ہی کبھی ناراضگی کا اظہار فرمایا - جب فارسی میں چل نکلا - تو کچھ عرصہ کے بعد حضرتؒ نے ہمیں میزان الصرف خود پڑھانی شروع کی جس میں مولانا محمد یوسفؒ - سید رضا حسن دہلوی دہلی کے ایک بہت بڑے عالم میر محبوب علی کے پوتے، مولوی انعام اللہ - مولانا عبداللہ گنگوھی تیسیر المبتدی وغیرہ کے مصنف" کے صاحبزادہ اور راقم الحروف شریک تھے - گویا کہ صاحبزادگان کی یہ جماعت تھی جس کو حضرت مولاناؒ خود عربی پڑھانا چاہتے تھے اور بحمداللہ تعالٰے اس جماعت کے سب شرکاء فارغ التحصیل ہوئے - حضرت مولاناؒ نے پندرہ بیس دن میں میزان الصرف اپنے خاص طرزِ تعلیم پر ختم کرا دی -

میزان الصرف پڑھنے کے بعد ہمیں بحثوں اور صیغوں کی اتنی مشق کرا دی - کہ ماضی مضارع امر نہی - فاعل مفعول، اسم آلہ وظرف، وغیرہ پر ہم سب ساتھیوں کو پورا پورا عبور ہو گیا - کسی بھی مصدر سے سے ماضی مضارع، امر نہی وغیرہ - ہم بے تکلف بنا لیتے تھے - اور کسی بھی مصدر سے صیغے بنا لینے - ہمیں مشکل نہیں معلوم ہوتے تھے - اس کے بعد ہمیں منشعب شروع کرائی اور اس کے ثلاثی مجرد و مزید کے ابواب پر اس قدر ہم سے محنت کرائی - کہ منشعب پڑھکر مجرد سے مزید اور مزید کی مجرد بنانے میں ہمیں پورا پورا ملکہ حاصل ہو گیا - ازاں بعد حضرتؒ نے جماعت کو صرف میر شروع کرائی - اور جب ہمیں تعلیلات اور ہفت اقسام کی پوری پوری مشق ہو گئی تو صرف میر کے ساتھ پنج گنج دوسرے اوستادوں سے شروع کرائی گئی -

یہ وہ وقت تھا جب کہ حضرتؒ کے ذہن پر تبلیغ اتنی حاوی نہیں تھی - بلکہ عبادات ومجاہدات پر زور تھا - صبح کی نماز پڑھ کر حجرہ میں تشریف لے جاتے اور حجرہ بند فرما کر نفی اثبات "لا الٰہ الا اللہ" کا ذکر بلند آواز میں پوری شد و مد کے ساتھ فرماتے رہتے - اشراق کی نماز پڑھ کر حجرہ کھولتے مولانا محمد یوسف حجرہ میں چائے لاتے - دسترخوان بچھتا اور حضرتؒ رفقاء کے ساتھ چائے نوش فرماتے - غرضیکہ - حضرتؒ اور حضرت کے مہمانوں کو ناشتہ اور کھانا کھلانے کی خدمت مولانا محمد یوسفؒ کو ۱۲-۱۳ سال کی عمر میں سپرد فرما دی تھی - اندر سے کھانا لانا - اور فارغ ہو کر برتن لے جانا صاحبزادہ صاحب کے ذمہ تھا - ناشتہ کے بعد اگر مہمان ہوتے تو اُن سے دریافت حال فرماتے مصلےٰ ساتھ لیتے گھڑی - اور ایک آدمی ساتھ لے کر "عرب سرائے" کے ویرانہ یا ایک میل دور حضرت نور محمد صاحبؒ بدایونی کے مزار پر تشریف لے جاتے وہاں جاکر نوافل پڑھتے - اور عبادت الٰہی میں مصروف رہتے ۱۱-۱۲ بجے کے قریب تشریف لاتے "حجرہ" میں دسترخوان بچھایا جاتا اندر سے صاحبزادہ صاحب کھانا لاتے رفقاء کی تلاش ہوتی - اور کھانا شروع ہو جاتا - بعض اوقات باسی روٹیاں گھر سے آتیں انگیٹھی سلگائی ہوئی ساتھ آتی تو ہم سمجھ جاتے آج باسی روٹیاں آئی ہیں - انگیٹھی پر روٹیاں گرم کی جاتیں - اور گرم گرم روٹیاں خود حضرت بھی تناول فرماتے اور رفقاء بھی" کھانا کھا کر قیلولہ فرماتے - ظہر کی نماز مستحب وقت میں ادا فرماتے نماز سے فارغ ہو کر عصر تک طلباء کو مختلف اسباق پڑھاتے - مولانا محمد یوسف صاحب پڑھنے پر زیادہ توجہ نہیں فرماتے تھے ہم گرمیوں کی دوپہر میں یاد کیا کرتے اور مولانا مرحوم حضرت نظام الدین اولیاء کی

باؤلی میں جاکر، دوپہر بھر پانی میں نہاتے رہتے اور تیرتے رہتے تیراکی میں بہت مشاق ہو گئے تھے۔ اور بہت ملکہ حاصل کر لیا تھا۔ چت لیٹ کر تیرتے تھے۔ اور غوطہ بھی کافی گہرا لگاتے تھے بڑی دیر کے بعد پانی سے باہر نکلتے تھے۔ ظہر کی نماز کے بعد ساتھیوں میں سے کوئی چلا جاتا۔ اور صاحبزادہ صاحب کو سبق کے لئے بلا لاتا۔ اور مولانا مرحوم کے آنے کے بعد ہم حضرت کے حجرہ میں سبق پڑھنے جاتے۔

عصر کی اذان تک حضرتؒ مختلف جماعتوں کو اسباق پڑھاتے نماز عصر کے بعد اگر باہر سے آنے والے مہمان ہوتے حجرہ میں یا حجرہ کے سامنے مجلس فرماتے، ہاتھ میں تسبیح ہوتی۔ درود شریف کا ورد فرماتے رہتے۔ اور اہل مجلس سے گفتگو بھی وقفہ وقفہ سے فرماتے رہتے بات کرتے کرتے۔ لعض اوقات آنکھوں میں آنسو آ جاتے جن کو شہادت کی انگلی سے پونچھ لیتے۔ اور لعض دفعہ نہایت سوز کے ساتھ فرماتے ہائے میرے اللہ میں کیا کروں؟

کبھی کبھی یہ شعر بھی درد انگیز طریقہ پر پڑھتے ؎

جی میں آتا ہے کہ میں جوگی بنوں
در بدر مجھ سے پھرا جاتا نہیں

کبھی پڑھتے ؎

ارے یارو کسی کو دل نہ دیجیو
جو دو اُمید جینے کی نہ کیجیو

اگر مہمان نہ ہوتے تو گھر میں تشریف لے جاتے اور مغرب تک گھر میں رہتے۔ اور مغرب کے بعد اوابین پڑھتے۔ اور عموماً اذان عشاء کی ہوتی اور حضرتؒ اوابین سے فارغ ہوتے "

الغرض۔ جب صرف میں پنج گنج پڑھ رہے تھے تو حضرت شیخ الحدیث صاحب سہارن پور سے تشریف لائے۔ حضرت شیخ الحدیث ہمارے حضرت کے بھتیجے ہیں۔ مگر حضرتؒ ان کا اس قدر اکرام فرمایا کرتے تھے کہ حضرت شیخ کے پیچھے۔ حضرتؒ نہایت محبت کے ساتھ ان کو۔ حضرت شیخ الحدیث کے لقب کے ساتھ یاد فرمایا کرتے تھے۔ اگرچہ سامنے مولوی زکریا کے نام سے پکارتے تھے۔

حضرت شیخ کو ہماری صرف کا امتحان دلایا گیا۔ اور پھر ہمیں حضرتؒ نے نحو میر خود شروع کرائی۔ اس کتاب پر بھی حضرتؒ نے اپنی عادت کے مطابق ہم سے بڑی محنت کرائی۔ اور صرف کے اصول کی حفاظت کے لئے قرآن شریف کے الفاظ لکھانے شروع کر دیئے۔ اس کی خانہ پُری کی کاپی دی اس میں ہمیں صیغہ۔ بحث۔ مادہ ہفت اقسام کی خانہ پُری کرنا ہوتی تھی اس طرح غالباً ۶ پارہ تک حضرتؒ نے قرآن پاک کے الفاظ ہمیں کاپی پر لکھائے۔ جس سے ایک تو ہماری صرف پختہ ہو گئی۔ دوسرے قرآنی الفاظ کے ترجمہ سے کافی واقفیت ہو گئی۔

نحو میر پڑھانے میں اچھا خاصہ وقت مشقوں پر خرچ فرماتے۔ اور اس میں ۱۷۔ اقسام منصرف غیر منصرف اسماء اشارات و موصولات وغیرہ اچھی طرح ہمارے ذہن نشین کرائے گئے۔

نحو میر ختم کرنے کے بعد ہمیں حضرتؒ نے قصیدہ بردہ شروع کرایا اور فرمایا۔ قصیدہ کا ایک ایک شعر پڑھو۔ اس کی شرح لکھو پھر دوسرا شعر پڑھو اور شرح لکھنے کا طریقہ بتلایا۔ کہ اس طرح لکھو ؎

أمن تذكر جيران بذي سلم
مزجت دمعا جرى من مقلة بدم

ہمزہ استفہام کے لئے۔ من حرف جار اس کا مجرور ظاہر کرو۔ تذکر باب تفعل مادہ ذکر معنی یاد کرنا۔ جیران جمع جار کی ۷ اقسام میں لکھو کر کیا ہے۔ ذی سلم اشارہ اس کا مشارٌ الیہ ظاہر کرو۔ سلم کے معنیٰ اور ۱۷ اقسام میں لکھو کر کیا ہے، مَزَجْتَ کونسی بحث ہے صیغہ کیا ہے، باب اس کا کیا ہے غرضیکہ اسی طرح ایک سرف اور ایک لفظ پر ہمیں لکھنے کی تاکید فرمائی۔ اس سے صرف و نحو کی عملاً مشق بھی کرائی گئی۔ اور شرح لکھنے میں تالیف و تصنیف کے لئے بھی ہمارا ذہن کو تیار کر دیا۔ چنانچہ حضرت جی کی شرح طحاوی اور حیات صحابہ کی تصنیف اُسی ذوق کی پیدا وار ہے جو اُن کے والد ماجد حضرت مولانا محمد الیاسؒ نے ابتدا سے ہی شرح قصیدہ بردہ کی شکل میں پیدا فرمانے کی کوشش فرمائی تھی۔ قصیدہ بردہ کے بعد ہمیں قصیدہ بانت سعاد۔ اور حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ کی چہل حدیث، شروع کرائی۔ جو ہمیں حفظ کرائی گئی۔

مجاہدہ و ریاضت

حضرتؒ توکل کو چندہ پر ترجیح دیتے تھے مدرسہ کا کوئی سفیر نہ تھا۔ اور نہ تین سال کے عرصہ میں باوجود انتہائی قریب ہونے کے میں نے کسی شخص کو مدرسہ کے چندہ کے لئے فرماتے ہوئے دیکھا۔ دہلی کے تاجر آتے تھے۔ مگر حضرت مدرسہ کی ضروریات اُن کے سامنے کبھی بھی نہیں رکھتے تھے۔ مدرسہ کے لئے حافظ عبدالحمید چربی والے " چربی کا کنستر بھجوا دیتے جو مدرسہ کے باورچی خانہ میں استعمال ہوتا تھا۔ پیاز خدا جانے کہاں سے آتے اُن پیازوں کو چھیل کر سالم آلو کی طرح شوربہ دار پکایا جاتا۔ روٹیاں۔ ایک بہت بڑے توے پر طلبا خود پکاتے تھے۔ سب کی ہفتہ میں ایک ایک دن باری آتی تھی۔ سالن پکانا۔ روٹی پکانا مصالحہ پیسنا سب طلبہ کے ذمہ تھا ہفتہ میں ہماری جماعت کی بھی باری آتی اور اس میں صاحبزادہ محمد یوسفؒ بھی ہمارے ساتھ کھانا پکانے میں شریک ہوتے۔ ہم اُن سے مصالحہ ہی پسوایا کرتے۔ اور روٹی بھی پکوایا کرتے۔ مرحوم آٹا ہی پچاس ساٹھ طلبہ کی روٹی کا خود گوندھتے تھے حالانکہ کھانا مولانا محمد یوسف صاحبؒ اپنے گھر سے کھایا کرتے تھے مگر اس سلسلہ میں مرحوم ہم سے ممتاز نہ تھے۔ ساتھیوں نے جو کام اُن کے ذمہ لگا دیا۔ بخوشی اس کام کو انجام دے دیا۔

جنگل سے جھاڑ جھنکار بھی چولھے کے لئے باری کے دن ہمیں بھی لانا پڑتے تھے اس میں بھی حضرت جی ہمارے ساتھ جاتے۔ اور جھاڑ کھینچ کھینچ کر جنگل سے لایا کرتے تھے۔

تیراکی کی تربیت

عصر کے بعد سارے مدرسہ کے طلباء کو حکم دیا کہ جمنا جو تقریباً میل ڈیڑھ میل کے فاصلہ پر بہتی ہے۔ وہاں جاکر سب طلبا دریائے جمنا میں نہا کر آیا کریں تاکہ سب طلباء کو تیرنا آ جائے۔ اُستاد ساتھ جاتے اور ہمیں جمنا میں نہلا کر واپس لے آتے۔ جمنا کے اس کنارے اس کنارہ تک کوئی طولا تیرنا شروع کرتا اور کوئی عرض میں۔

سخاوت

مخلص جو ہدایا و تحائف لے کر حضرت کے لئے آتے وہ گھر بھجوا دیئے جاتے۔ ناشتہ، یا کھانے میں دسترخوان پر آ جاتے۔ مگر حضرتؒ جی اندر سے حلوہ سوہن۔ جبتی حلوہ مٹھائیاں اور پھل لے کر آ جاتے۔ اور طلباء کے ساتھ بیٹھ کر اپنے حجرہ میں کھاتے اور ساتھی طلباء کو کھلاتے تھے۔ اس طرح پر حضرت جیؒ کا دسترخوان۔ دوپہر یا عشاء کے بعد علیحدہ ہوتا تھا۔

خیال یہ ہے کہ گھر میں جو بچی ہوئی

مٹھائی وغیرہ ہوتی۔ اس کو اس طرح پر ٹھکانے لگاتے تھے۔

وضع داری تین سال تک میں حضرت جیؒ کے قریب تر ساتھیوں میں رہا۔ اس عرصہ میں میں نے حضرت جی کو بازاروں میں گھومتے ہوئے۔ یا مقبرہ وغیرہ میں سیر سپاٹا کرتے ہوئے نہیں دیکھا۔ گھر مدرسہ یا دوپہر میں باؤلی میں نہانا۔ یا عصر کے بعد فٹ بال کھیلنا یا جمنا جا کر نہانا یا پھر مہمانوں کی خدمت اُن کے مشاغل تھے۔

حضرت جیؒ کی پٹائی حضرت جیؒ کے ہاتھ سے حضرتؒ نے پڑھنے پر ہمیں کبھی نہیں مارا۔ اور نہ تین سال کے عرصہ میں میں نے دیکھا کہ حضرتؒ نے مولانا محمد یوسف کو مارا ہو۔ ایک دفعہ دہلی کے تاجر کا لڑکا جو مدرسہ میں پڑھتا تھا۔ روزانہ سائیکل پر دہلی سے آتا اور شام کو واپس ہو جاتا ایک روز میں نے کہا۔ میاں یوسف چلو تمہیں سائیکل چلانا سکھاؤں۔ مان گئے عصر کے بعد ہم نے سائیکل اس کی اٹھائی اور ہمایوں کے مقبرہ میں چلے گئے۔ وہاں میدان میں مولوی یوسف صاحب کو سائیکل پر بٹھا کر سائیکل چلانے کی مشق کرائی۔ شام ہو گئی۔ مغرب کے بعد واپس ہوئے یہاں عصر کے بعد ڈھونڈھ پڑ گئی۔ کہیں نہ ملے تو حضرت کو فکر ہوئی۔ ہم مغرب کے بعد آئے۔ تو کسی نے تبلا دیا۔ حضرتؒ مسجد سے نیچے اُتر کر آئے۔ مولانا یوسف صاحب کی پٹائی تو حضرتؒ نے کی۔ اور خوب کی۔ اور میری پٹائی۔ حضرت شیخ الحدیث صاحب نے اپنی مسواک سے کی جو کافی موٹی تھی اور خوب اچھی طرح ہم دونوں کی پٹائی ہوئی۔ جس سے یہ سبق دینا تھا کہ دوسرے کے مال کو بغیر اجازت آئندہ استعمال نہ کر سکیں۔ اس کے بعد یا اس سے پہلے حضرتؒ نے صاحبزادہ صاحب کو میرے سامنے کبھی نہیں مارا۔ یہ ہیں مختصر حالات حضرت جی اور اُن کی طالب علمی کے جو ہدیہ ناظرین ہیں ــ باقی حالات پھر انشاء اللہ کسی موقعہ پر۔"

تیری محنت تیری ہمت دین کے کام آ گئی
نسل آدم تجھ سے جینے کا سلیقہ پا گئی

ڈیرہ اسماعیل خاں میں ہفت روزہ خدام الدین کا تازہ پرچہ حافظ فیض محمد سے حاصل کریں

اعلان داخلہ

تشنگان علوم دینی کے لئے یہ اعلان موجب مسرت ہوگا۔ کہ بہاول پور میں محققانہ رجحانات کی آئینہ دار درس گاہ "دارالعلوم مدنیہ" میں طلباء کا داخلہ برائے تدریس علوم متداولہ تکمیل درس نظامیہ کا آغاز ہو چکا ہے۔ حافظ القرآن والحدیث حضرت مولانا محمد عبداللہ صاحب درخواستی۔ شیخ التفسیر حضرت مولانا شمس الحق صاحب افغانی اور حضرت صاحبزادہ محمد عبدالہادی صاحب سجادہ نشین دین پور شریف مدظلہم العالی جیسے بزرگان دین کی سرپرستی کا شرف اس درسگاہ کو حاصل ہے۔ خواہش مند طلباء محرم الحرام اور صفر المظفر کے دوران داخلہ کی درخواستیں دے سکتے ہیں۔ طلباء کے قیام و طعام اور کتب کا انتظام دارالعلوم کی مجلس انتظامیہ کے ذمہ ہے۔

(مولانا) عبیداللہ (سابق شیخ الجامعۃ العباسیہ) مہتمم دارالعلوم مدنیہ مسجد مچھلی ہٹہ۔ بہاول پور

بیٹا گھر آ جاؤ

حافظ محمد سلیم۔ حافظ محمد نعیم جہاں کہیں بھی ہوں گھر آ جائیں والدہ ملنے کے لئے بیقرار ہے۔

حبیب امیر علی۔ معرفت حاجی احمد نواز خاں ڈپٹی انسپکٹر کاغان ڈویژن ایبٹ آباد